انفعال

مرکز- بنگلہ والی مسجد- میں

امیر اور امارت کا نزاع

تحلیل وتجزیہ

اسباب وعوامل

اردولغت : شرمندگی ☆ **عربی لغت** : متاثر ہونا

انیس احمد ندوی

تالیف/تصنیف

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

جملہ حقوق مصنف/ ناشر کے حق میں محفوظ

نام کتاب	:	انفعال
مؤلف	:	انیس احمد ندوی
صفحات	:	۸۰
اشاعت	:	دو ہزار
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ
قیمت	:	۱۵۰/روپئے
باہتمام	:	حذیفہ مدثر، شہامت نعمان
کمپوزنگ	:	حشمت علی، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ

ناشر

اسلامک سروسز لکھنؤ

۱۹۲/ ۴۸۵، رفعت منزل، لکڑ منڈی، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر:9335223411, 7839684811

فہرست

پیش لفظ
پیش لفظ-۲
پیش لفظ-۳
پہلی بات
آہ بنگلہ والی مسجد
دینی محنت ہندوستان سے...
دینی محنت میں نبوی اشارات
دینی محنت نبوی دل ودماغ سے
دینی محنت میں انحراف
دینی محنت استحقاق
دینی محنت میں جمہوری راہ
دینی محنت میں زخرف القول
دینی محنت میں جماعت بندی
دینی محنت کا اغوا
دینی محنت کا نہج اور منہج
دینی محنت میں امارت
دینی محنت میں خطا اور نسیان

دینی محنت میں شوریٰ
دینی محنت اور اہل علم ومدارس
دینی محنت اور علمائے دین
دینی محنت-اثرات ونتائج
دینی محنت اور مولانا محمد الیاسؒ
مولانا ابوالحسن اور مولانا محمد الیاس
دینی محنت-مولانا محمد سعد کاندھلوی
دینی محنت میں تعمیر کی غلطی
دینی محنت میں اعتراف وتسلیم
صحابہ کا پرچم
حضرت مولانا محمد سعد کاندھلوی کی ترجمانی
صوبہ گجرات.....
علی گڑھ.....
امت مسلمہ کی بیداری
امت مسلمہ کی روحانی طاقت جہاد اور اجتہاد
آخری بات

پیش لفظ

(۱)

۲۰۱۴ء کا بھوپال اجتماع ہے۔ ''دینی محنت'' کے اندر سے فساد پھیلنے لگا۔ لگاتار ایسی باتیں ظاہر ہوتی رہیں جس نے حیران کر دیا ہے۔ ۲۰۱۶ء کا بھوپال اجتماع تک فساد جاری ہے۔

میرا اس ''محنت'' سے جو لگاؤ ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ ۱۹۸۰ء (زندگی کے بارہویں سال) سے عملی پھر فکری اور علمی طور پر وابستہ ہیں۔ دو سال سے تسلسل ہے حوادث کا۔ حادثات ہوتے رہے۔ اس لگاؤ اور وابستگی سے تاثر زیادہ ہوا۔ دل و دماغ اثرات سے لبریز ہو گیا۔ احساس بڑھ گیا۔ بس تاثر کو، احساس کو قلم بند کرتے رہے۔ ہمت کر رہے ہیں۔ طباعت کے مرحلہ میں ہمارے احساسات۔ اشاعت کے بعد آپ کے ہاتھ۔

بنگلہ والی مسجد میں آنے کا موقع ۱۹۸۰ء سے ملا۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی صاحب کے ہمراہ آنے کا موقع ہوا۔ مولانا کے ساتھ دہلی کے متعدد سفر ہوئے۔ دہلی کے مختلف حلقوں کے جوڑوں میں بھی آنا ہوا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کے ساتھ دہلی کے ایک جوڑ میں جانا ہوا۔ بنگلہ والی مسجد میں صبح کے بیان کے ترجمہ کا بھی موقع ملا۔ مولانا محمد عمر پالنپوری صاحبؒ کی شفقت کا حصول ہوا۔

مولانا سجاد صاحب کی وجہ سے حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھنے کا موقع کئی بار ملا۔ ۱۹۸۰ء-۲۰۱۶ء کے درمیان جب بھی اللہ کے راستہ میں جانا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادہ تر پیدل جانا ہوا۔ پیدل سفر نے بہت اثر ڈالا۔ دعوت کا رنگ گہرا کر دیا۔ دعوت کی جرأت پیدا کر دی۔

بنگلہ والی مسجد اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور ان کی ذریت (بنی اسمٰعیل) کے لیے بہت کچھ کرنے کا حوصلہ دل میں پیدا ہوا۔ اس حوصلہ کو آخرت کا سامان دل شمار کرنے لگا ہے۔ اندازہ ہے کہ مقابلہ طاقتور سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہمت، حوصلہ کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو فساد کے خاتمہ کے لیے ذریعہ بنا کر قبول فرمائے۔ مزید کوشش کی

(۸)

توفیق عطا فرمائے۔

۲۰۱۴ء سے جو واقعات رونما ہوئے ہیں۔ مرکز نظام الدین۔ مولانا محمد سعد کاندھلوی۔ چند پرانوں کی علاحدگی۔ مقیم حضرات کی علاحدگی۔ اخبارات/میڈیا میں اس موضوع پر ہلچل۔ اس کی وجہ سے اہل حق میں سے کوئی ''دینی محنت'' پر ضرب لگائے تو یہ عمل ناعاقبت اندیشی کا ہوگا۔ یقینی طور پر ایک اضطراب پیدا ہوجائے گا۔ اس کو روکنا دشوار ہوگا۔ اہل بدعت، اہل حدیث کے قول وفعل کا درجہ ہمارے یہاں صفر ہے۔

''دینی محنت'' کرنے والے عام مسلمان ہیں۔ یہ لوگ ان واقعات سے بے چین ہیں۔ الجھن کا شکار ہیں۔ اس لیے علمائے اسلام، دانشوران قوم سے گزارش ہے کہ اس وقت ''ان مسلمانوں'' کو ذہنی غذا دیں۔ تقویت کا سامان پیدا کریں۔ آپ کا یہ احسان ناقابل فراموش ہوگا۔ آپ اس کشتی کو بچانے والے ہوں گے۔

عجلت میں آپ نے اپنی گفتگو میں ''مرکز نظام الدین'' کو اپنا موضوع بنایا، کسی تجزیہ کو پیش کیا تو یہ برمحل نہ ہوگا۔ ''یہ مسلمان''، اس گفتگو کے مکلّف نہیں ہیں۔

امید پہ دنیا قائم ہے۔

راقم حروف

انیس احمد ندوی

۸/۱۲/۲۰۱۶ء

رفعت منزل

ڈالی گنج، لکھنؤ

(۲)

دسمبر ۲۰۱۶ء۔ پہلی طباعت پسند کی گئی۔ مثبت اور اچھے احساس پیدا کرنے میں یہ تحریر معاون ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے قبولیت بخشی۔

بعض جگہ علمائے اسلام اور دانشوران نے موضوع بنایا اور عام مسلمانوں کو اضطراب میں مبتلا کیا یہی اچھا تھا اسی لیے یہ ہوا۔

عوام الناس کو یہ باور کرانے کوشش کی گئی کہ مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی ہی غلط ہیں۔ ان کی وجہ سے فیصلہ کر

(۹)

ناپڑ رہا ہے کہ دعوت کی محنت غلط راستے پر چلی گئی ہے۔ایک بڑے علمی ادارہ نے اسی وجہ اپنے احاطہ میں دعوت کی محنت کو موقوف کردیا ہے۔

یہ سب ناعاقبت اندیشی ہے۔خیر یہ ہم کہہ رہے ہیں۔وہ وہی صحیح سمجھ رہے ہیں۔اللہ کا علم اصل ہے۔

راقم حروف
انیس احمد ندوی
اگست ۲۰۱۷ء

رفعت منزل
ڈالی گنج، لکھنؤ

(۳)

الحمد للہ دو ایڈیشن عام ہوئے۔جدید طباعت کی راہ سے یہ نسخہ آپ کی طرف اضافوں کے بعد جزئی ترمیم کے ساتھ۔

تحریر میں ایک نکتہ پر ارتکاز کیا گیا ہے اس لیے اس نکتہ کی تکرار ملے گی۔یہ تکرار مضمون کی پختگی کے لیے ہے۔ہم اس نکتہ کی سمجھ کو مسئلہ کا حل شمار کرتے ہیں۔

ہر اعتبار سے یہ ایک بڑا فتنہ ہے جس نے امت کے جسد خاکی کے ہر جوڑ کو کھول دیا ہے۔

امید کرتے ہیں کہ اس تحریر سے دل و دماغ کو غذا ملے گی۔یہ صرف کوشش ہے۔تحریر اور اردو کی تمام غلطیوں کا اعتراف۔کوئی مطلع کرے تو اس کا احسان۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اچھے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔خیر سے محروم نہ فرمائے۔آمین

راقم حروف
انیس احمد ندوی
اکتوبر ۲۰۱۹ء

رفعت منزل
ڈالی گنج، لکھنؤ

(۴)

محنت میں ۱۹۸۰ء میں مربوط ہوئے۔ ابتداء میں جناب ثناء اللہ صاحب کے ساتھ دس روز لگے۔ اب تک مربوط ہیں۔ یہ اللہ کا شکر ہے۔ اس میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ کی خوب خوب رحمت ہے۔ برکت ہے۔ یہ محنت تو اللہ کی تائید سے ہے۔ اللہ کے رسولؐ کی معیت سے ہے۔

۲۰۱۴ء میں ایک غیر معروف اور غیر مانوس شور سنا۔ یہ سنگین ہوا۔ کام اور محنت پر حملہ تھا۔ ظاہر میں لگتا ہے کہ ذات پر حملہ ہے۔ اس لیے ''رجوع نامہ'' ''بے علمی کی گفتگو'' اور ''انفعال'' نامی تحریریں شائع کیں۔ اللہ کا شکر ہے اس خاموش تحریر نے بہت سی آوازوں کو خاموش کیا۔ اللہ ہماری کوتاہیاں مٹا دے۔

انفعال دوبار چھپ چکی ہے۔ یہ تیسری مرتبہ ہے۔ اضافوں کے بعد۔ بنگلہ دیش، پاکستان کے علاوہ ممالک میں یہ طباعت پہونچ چکی ہے۔ خیر، خیر کی راہ سے خیر والوں تک پہونچے۔ اللہ قدرت والا ہے۔

انیس احمد

۲۵ / شعبان ۱۴۴۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی بات

طاقتیں تمھاری ہیں اورخدا ہمارا ہے
عکس پر نہ اتراو آئینہ ہمارا ہے

آپ کی غلامی کا بوجھ ہم نہ ڈھوئیں گے
آبرو سے مرنے کا فیصلہ ہمارا ہے

عمر بھر تو کوئی بھی جنگ لڑ نہیں سکتا
تم بھی ٹوٹ جاؤ گے تجربہ ہمارا ہے

اپنی رہنمائی پر اب غرور مت کرنا
آپ سے بہت آگے نقش پا ہمارا ہے

غیرت جہاد اپنی زخم کھا کے جاگے گی
پہلا وار تم کرلو دوسرا ہمارا ہے

(۱) آہ! بنگلہ والی مسجد

مرض پرانا تھا۔اندر ہی اندر بڑھتا گیا۔اعضاء بنگلہ والی مسجد بتاتے کچھ رہے،کرتے کچھ رہے۔ادھر چند مہینوں سے مرض نے شدت اختیار کرلی تھی اور وہ ہوا جو موعود ہے۔اناللہ وانا الیہ راجعون

مسجد میں جو ہوا وہ نہیں ہونا تھا۔مگر ہوا۔ہاں یہ ہونا بھی تھا۔کیونکہ مولانا محمد سعد کو غیر مہذب مانا گیا۔بے سمجھ تسلیم کیا گیا۔اس میں علی گڑھ،لکھنؤ،گجرات،کرناٹک،بارہ بنکی اور سہارن پور کے لوگ شامل ہیں۔

مولانا ابراہیم ۱۹۹۵ء سے مولانا محمد سعد کی اصلاح کے لیے عوام کے سامنے بنگلہ والی مسجد میں بیان کے دوران کچھ باتوں کو کہتے۔یہ بے بنیاد عمل تھا۔نقصان کو پیدا کرنے والا تھا۔کیونکہ مخاطب ایک تھا۔سننے والا مجمع ایک ہی تھا۔علاقہ والے آتے تھے اور احساس کے ساتھ واپس ہوتے تھے۔البتہ مولانا احمد لاٹ یہ نہیں کررہے تھے۔مگر اب وہ بھی احساس دے بیٹھے۔صوبہ یوپی ۲۰۱۵ء کے مشورہ میں یہ باتیں خوب محسوس کی گئیں۔

اس روحانی موت پر ہم دم بخود ہیں۔بھوک و پیاس کا احساس ختم ہے۔زندگی بجھ گئی ہے۔سارے عالم کا کیا ہوگا۔یہی ایک مسجد تھی وہ بھی موت کا شکار ہوگئی۔امراض یہ تھے۔نہیں اشتہارات یہ ہیں:

۱۔مولانا محمد سعد کاندھلوی کی ذات (مزاج اور طریقہ کار)

۲۔علمی،فقہی غلطیاں

۳۔منتخب احادیث نامی کتاب کا کام کرنے والوں سے محنت کے دوران اجتماعی طور پر پڑھایا جانا۔

۴۔دعوت،تعلیم،استقبال کی صورت میں مسجد کو آباد کرنے کی محنت بنانا۔

۵۔مستورات کے درمیان محنت کو باضابطہ کرانا۔

۶۔بیعت کا اہتمام وغیرہ وغیرہ

۱۹۹۵ء-۲۰۱۵ء یعنی ۲۰ سال میں مریض نے آخری سانس لے لی۔احترام اور تقدس نے آخری سانس لے لی۔بنگلہ والی مسجد کے لوگ (علی گڑھ،گجرات،کرناٹک،بارہ بنکی،لکھنؤ کے کچھ لوگ) اس عظمت سے محروم ہو چکے۔جوان

کو حاصل تھی۔ مسجد کے لوگوں نے الگ تھلگ رہ کر جس مرض کو بڑھاوا دیا وہ سب حشر میں مقید ہوں گے۔ تمام کام کرنے والے ان سے حساب کا مطالبہ کریں گے۔ یہ لوگ روز مشورہ میں جمع ہوتے ہیں۔ کیا ان کے کانوں نے نہیں سنا۔ ان کی آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ ان کے نزدیک ضروری نہیں تھا کہ مرض کا علاج کیا جائے۔ مریض کو مرنے دیا۔ مرض بڑھنے دیا۔

کاندھلہ کا گھرانہ ہو۔ سہارن پور کے علماء ہوں۔ پاکستان کے ذمہ دار ہوں۔ دہلی کے افراد ہوں۔ ان سب نے ہونے دیا۔ علمائے بنگلہ والی مسجد ہوں۔ مرض رہا۔ یہ لوگ بھی رہے۔

مرض جس صورت میں آیا وہ زہر بن گیا۔ مسجد کا خون ہو گیا۔ دین کی محنت کو دھکا دے دیا گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنانے والے خود اللہ کے رسول کو دکھ دے گئے۔

منتخب احادیث تو حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی تالیف ہے اگر اس کی طباعت وقت سے پہلے اذان ہے تو اس کی تالیف کا وقت جو تھا اس کا کیا حکم ہے؟ مسجد کی آبادی کو خاص طریقہ سے کرایا گیا تو اس کے علاوہ کیا منصوص ہے؟ گھر کے اندر دین کی محنت کو پہنچانے کے لیے باضابطہ صورت وشکل کا دیا جانا قابل اشکال ہے تو آپ لوگ دین اسلام کو قابل عمل بنانے میں ناکام ہیں۔

ہم شہر لکھنؤ کے ہیں۔ غمگین ہیں۔ مولانا محمد سعد کو لے کر۔ حیرت میں ہیں علی گڑھ کو لے کر۔ حضرت مولانا ابراہیم اور حضرت احمد لاٹ کو لے کر۔ ہم دوسری فکر والوں کو جواب دیا کرتے تھے۔ آج ہم شرمندہ ہیں اپنے کو لے کر۔ بڑوں نے بڑا کام انجام دے دیا۔ بنگلہ والی مسجد کے تقدس کو قتل کر دیا۔

فتن کی احادیث کی روشنی میں امارت کو لے کر اختلاف کا اشارہ ملتا ہے، شاید یہ اختلاف ''نفس ذکیہ'' کے قتل پر ختم ہو۔ سارا عالم کہرام کا شکار ہوگا۔ اس وقت ان افراد کے فہم اور فکر کا خلاصہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے طریقوں میں سے طریقہ ہے کہ کرنے والوں سے بربادی کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ کاندھلہ کا گھرانہ، گجرات، بنگلور، علی گڑھ، پاکستان کرنے والا تھا۔ یہی لوگ اب برباد کرنے والے بن رہے ہیں۔

(۲) دینی محنت ہندوستان سے-تکوینی نظام/تکوینی اشارہ

یہ تکوینی نظام کا حصہ تھا کہ سقوط بغداد ۱۲ رویں صدی عیسوی کے بعد دین اور دین کی محنت (علم وذکر) کی پناہ گاہ ہندوستان بن رہا تھا۔ تجدید دین کا عالمی اور عمومی، عوامی نظام ہندوستان سے شروع ہونا تھا۔ اس میں جہاں اہل دل کا

قافلہ نظر آتا ہے وہیں قرآن وسنت کے محافظ بھی موجود ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ یہ تمام مردانِ خدا، خاصانِ خدا ''تکوینی نظام'' کے تحت وجود میں آرہے تھے۔ مدارس اسلامیہ عربیہ کا نظام جو ہندوستانی رجال اللہ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ جس نے سارے عالم کو اپنے آغوش میں لے لیا۔ جس نے تعلیم وتعلم کا بے مثال نظام سارے عالم میں قائم کردیا۔ اس کے لیے دوآبہ کی زمین کو چنا گیا۔

اسی طرح دینی محنت کا سلسلہ ''تکوینی نظام'' کے تحت قائم ہوا۔ اس کے لیے دہلی کی زمین کو چنا گیا ''بنگلہ والی مسجد'' کو اور خانوادہ حضرت محمد الیاس کاندھلویؒ کو ذریعہ بنایا گیا۔ اس محنت نے سارے عالم کو اپنے آغوش میں لے لیا۔ اس طرح کی مثال مادی نظام کے ذریعہ قائم نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ ''روحانی اور تکوینی نظام'' کے ذریعہ قائم ہوا کرتی ہے۔

کن فیکون اشارہ بھی قابل تعظیم ہے۔ تکوینی اشارہ بھی امر الٰہی ہوتا ہے جس طرح تشریعی اشارہ امر الٰہی ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ذریعہ جو ''محنت'' قائم ہوئی جس میں درد، حزن، غم وفکر کا آتش فشاں شامل تھا۔ وہیں جہد مسلسل کا کوہستانی سلسلہ موجود تھا۔ جہاں مادیت کے تمام ناموں سے احتراز ہے تو وہیں روحانیت کی تمام نسبتوں سے امتثال ہے۔ اسی نے حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کو ہمہ جہت کارکردگی کا فلک بوس کردار وجود بخشا۔ محیر العقول معمولات کی شخصیت کے مالک مولانا محمد یوسف کاندھلوی تاریخ اسلام میں اس درجہ کی ہستی نادرہ روزگار ہے۔

اس محنت میں ایمانیات کو علم کی گہرائی کی ضرورت تھی تو مولانا یوسف کاندھلویؒ کا نام تنہا کافی ہے۔

اس محنت میں ایمانیات کو تدبر کی عمق کی ضرورت تھی تو مولانا انعام الحسن کاندھلوی کا نام تنہا کافی ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی تو ''علم وذکر اور تدبر'' کے اعلیٰ پیکر تھے۔

اس عالم میں ''اللہ تعالیٰ کی بات'' بتانے کے لیے فرد، خاندان متعین ہوتے ہیں۔ اسی طرح ''اللہ تعالیٰ کی بات'' چلانے کے لیے جگہ بھی متعین ہوتی ہے۔

ماضی میں فرد/ خاندان کے طور پر ''بنی اسرائیل''۔ جگہ کے طور پر ''ارض مبارک'' (بیت مقدس)۔ اب ''بنی اسمٰعیل'' اور ''ارض حرم'' (مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ)

اس کا آغاز ۵۷۱ء میں ہوا۔ بعثت، رسالت پھر صحابیت اور خلافت راشدہ اس کے بعد علماء اور صلحاء کا سلسلہ۔

پھیلاؤ ہوتا رہا۔کام ہوتا رہا۔افراد آتے رہے۔کام ہوتا رہا۔

اس میں ایک رخ یہ ہوا کہ ۱۲ویں صدی عیسوی میں ''جگہ'' کے طور پر ہندوستان دکھائی دیتا ہوا نظر آیا۔جن لوگوں نے سوانح اور تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔وہ اس اشارے کو خوب محسوس کرتے ہیں۔

الٰہی اشارہ اور تکوینی اشارہ کے مطابق حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا گھرانہ ہے اور بنگلہ والی مسجد ہے۔بات یہ ہے کہ لوگ اطاعت اور احترام میں فرق نہیں کر پا رہے ہیں۔

بنی اسحاق قابل احترام ہیں مگر قابل اطاعت نہیں۔بنی اسمٰعیل قابل احترام بھی ہیں اور قابل اطاعت بھی ہیں یہ ہے وہ اشارہ۔

ہندوستان کے علاوہ ممالک میں یہ بات چلائی گئی کہ ''مراکز'' جانا ہیں۔یعنی بنگلہ والی مسجد کی طرح دو مرکز اور ہیں۔ تو یہ اشارہ کے خلاف ہوا۔دیگر ممالک کے دعوتی تقاضوں میں تینوں مرکز سے افراد مدعو ہوں یہ بھی اس اشارہ کے خلاف ہوا۔

یہ بات ۱۹۷۵ء کے بعد قائم ہونا شروع ہوگئی تھی۔آج جو ہو رہا ہے دراصل گزشتہ غلطیوں کے نتائج ہیں۔ سارے عالم میں محنت کے اندر بنگلہ والی مسجد اور وہاں کے مشورہ کا درجہ دوسری جگہ کو دیا جانا دراصل ایک غلطی تھی۔غلطی کا نتیجہ غلط ہی ہوگا۔وہ ہوا۔سارا عالم شکار ہے۔

''بنی اسمٰعیل'' کے سلسلہ کے خاندان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذریت میں مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ہوئے۔۲۰ویں صدی عیسوی کے اوائل کا قصہ ہے۔نہایت عجیب انداز میں تکوینی نظام کا آغاز ہو رہا ہے۔خاندان ملکوتی صفات کا پیکر۔نظام عالمی،عمومی اور عوامی۔یہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی اشارہ ہے۔غیبی اشارہ ہے۔

مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور ان کے جانشین مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے ملفوظات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنگلہ والی مسجد کو اور اس خاندان کو اب مقرر کیا ہے۔یہ جب ہی بدلے گا جب ''بندہ خاص'' کا ظہور ہوگا۔ جو حضرت حسنؓ کی ذرّیت سے ہوگا۔''جگہ'' ہندوستان کے بجائے ہوگی اور وہ دمشق ہوگی۔

تکوینی اشاروں کو نبوی ارشادات میں پیوست کیا گیا ہے۔احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے یہ بات ملتی ہے۔کوئی اپنے نیک عمل کے ذریعہ یہ اختیار دکھائے اور مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے گھرانہ کے فرد کو مجروح کرے۔اپنی روحانی حالت سے اختیار دکھائے۔تو وہ نیکی کو کھو چکا ہے۔دینی اعتبار مٹا چکا ہے۔یہ لوگ ''تکوینی نظام'' کے خلاف آواز اٹھا رہے

ہیں۔ دنیا میں انتشار کا سبب، آخرت میں باز پرس کا سبب بن کر بڑے درجہ کی ناراضگی اپنے حصہ میں درج کرا رہے ہیں۔

تاریخ یہ بتارہی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اللہ کی طرف سے انتخاب اس کا ہوا۔ وقت کے چیلنج کا جواب اس سے دلوایا گیا جو ''بنی اسمٰعیل'' میں سے ہے۔ دین کی محنت تمام افراد امت مسلمہ کو کرنی ہے۔ مگر کام لینے کا فیصلہ ہوا ہے تو وہ افراد امت ہیں جو بنی اسمٰعیل ہیں۔ بنی اسمٰعیل جو ہوئے وہ وہ نہ ہوئے جو غیر بنی اسمٰعیل تھے۔ روحانی، علمی، دعوتی، فقہی، اصلاحی تاریخ اس پر شاہد ہے۔ اس لیے ''بنی اسمٰعیل'' ''تکوینی اشاروں'' کے تحت مقرر ہیں۔

ہماری ''اس محنت'' میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی صلبی ذریت اصل ہیں۔ شاہسوار ہیں۔ عام افراد امت (دیگر علماء) تابعدار ہیں۔ یہ بات اہم ہے۔ ذہن میں پیوست کرنی ہوگی۔ ورنہ دعویداری فساد کا سبب بنے گی۔ ''ائمة من قريش'' والی روایت میں بھی یہی تکوینی اشارہ موجود ہے۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بتانے میں جس نظام کی ضرورت تھی اس کو تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہندوستان سے قائم کیا۔ اس کا اشارہ لفظ ''غزوة'' سے ملتا ہے۔ یہ لفظ بتا رہا ہے کہ اس نظام میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت رہے گی۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ کو خود اللہ کے رسولؐ نے خواب میں فرمایا تھا کہ تم ہندوستان جاؤ۔ دیگر بندگانِ خاص کی زندگی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی الٰہی اشارہ کے تحت ہندوستان آئے اور دینی محنت کو قائم کیا۔

بالخصوص مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا معاملہ۔ یہ تو خاص الخاص اشارہ کے تحت تھا۔ بعد میں اس محنت میں عمومی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہوتی رہی ہے۔

عالم کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۶ویں صدی عیسوی سے باطل (ابلیس، یہود، دجال) نے جس جس راہ سے ''ایک اللہ کی بات'' کو مٹانے کا کام شروع کیا وہ اظہر من الشّمس ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ باطل کے مٹانے کے کام میں جو محنت اساس کا درجہ رکھ رہی ہے وہ امارت کے مسئلہ میں ''اختلافِ شدید'' کا شکار ہوگی۔ جو ہوائے نفس کے ذریعہ باطل (ابلیس، یہود، دجال) سے مختلط ہو رہی ہے۔ وہ آن قریب ہے۔ اس لیے دلجمعی کے ساتھ بنگلہ والی مسجد کو اور مولانا محمد سعد دامت برکاتہم (ذریت بنی اسمٰعیل) سے وابستہ رہا جائے۔ جو تکوینی اشارہ ہے۔ تاکہ امت اس راہ سے ادھر ادھر نہ ہو۔ کیونکہ اس محنت میں مرکزی طور پر کوئی ایسا فرد نہیں ہے جو بنی اسمٰعیل سے ہو۔ ذریت ابوبکر صدیق سے

ہو۔صفت احسان سے متصف ہو۔

ظاہری باتوں کو کوئی درجہ نہ دیا جائے۔وہ بے بنیاد ہیں۔اس میں ہوائے نفس کا حصہ ہے۔عالمی محنت کی حفاظت کی جائے۔اس میں موہوم انشراح کے ذریعہ یقینی انشراح کو مٹایا نہ جائے۔اس وقت علاقہ عالمی محنت کو علاقائی احساس کے تحت کمزور کررہے ہیں۔کسی کا نیک ہونا یہ الگ درجہ ہے۔کسی کا منتخب ہونا یہ بالکل الگ درجہ ہے۔اللہ تعالیٰ کی بات کہنا الگ ہے۔اللہ تعالیٰ بات کہلوائے یہ بات الگ ہے۔

بدأ الاسلام غريباً وسيعود غريباً كما بدأ فطوبىٰ للغرباء.

جو سیعود غریبا کا حصہ بنے گا۔

وہ طوبیٰ للغرباء میں شامل ہوگا۔

(۳) دینی محنت میں نبوی اشارات

دین کی محنت کا ایک دوروہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا دور ہے۔یہ لوگ نبوت سے براہ راست تربیت پائے ہوئے تھے،ان کو نبی سے علم اور علم کا فہم،فہم پر عمل براہ راست ملا تھا۔اس کے بعد دین پر وقتی،عارضی چیلنج نے حملے کئے،پھر مردان خدا ان چیلنجوں کے جواب میں مشغول ہوئے،یہاں تک کہ سقوط بغداد ہوا۔دین کی محنت کی طاقت اور قوت منتشر ہوگئی کیونکہ مسلمان دنیا میں سقوط بغداد کے بعد منتشر ہوگئے۔جان و مال اور دین بچانے میں ادھر ادھر ہوگئے۔اس وجہ سے دین کی محنت سے باطل کے حملوں سے مسلمان مقابلہ کرنے کے بجائے گوشہ نشینی کی طرف چلا گیا۔احساس سے محروم ہوگیا۔

اس وقت مادیت کی صورت میں باطل نے زندگی کو دبوچ لیا۔مسلمانوں کی زندگی کو بھی دبوچ لیا۔باطل نے غلبہ پالیا۔مسلمان موجود ہوتے ہوئے موجود نہ رہا۔

ذخیرہ احادیث کے مطالعہ سے ملتا ہے کہ دین کی محنت نبوی مزاج کے ساتھ نبوی طریقۂ کار کی پابند ہے۔اخیر زمانہ کے بارے میں ارشادات نبوی کے مطالعہ سے ملتا ہے کہ آپ نے اشارہ (Code) میں گفتگو فرمائی ہے۔اس کو سمجھ میں آئے گی جس کا دل و دماغ نبوی مزاج،نبوی منشا میں ڈھل گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ الہامات کے ذریعہ نبوی ارشادات کا فہم دیں گے۔ جو اشاروں کو سمجھے گا دین کی محنت میں۔ وہ دین کی محنت کو چلا سکے گا۔ روحانی اشاروں کو لے گا۔ روحانی اشاروں پر چلے گا۔ دین کی محنت میں الہام کا وجود بہت ہے۔ الہام والے ہی اشارۂ الٰہی کو سمجھنے والے ہیں۔

دنیا اخیر زمانہ میں داخل ہوچکی ہے۔ اس وقت دین کی محنت ابواب الفتن والملاحم کے اشاروں کی روشنی میں ہوگی۔ جو نبوی اشارات ہیں۔

افسوس ہے کہ اس وقت اہل علم کی بڑی تعداد ظاہری نظام کے ماتحت ہوچکی ہے۔ ظاہری نظام کا اثر لے چکی ہے، باطل کے مقابلہ کے لیے ظاہری نظام کی ضرورت کا اقرار کر رہی ہے۔ جو نبوی اشارات سے ہٹ کر ہے۔

ایسی صورت حال میں دین کی محنت کا قائم ہونا دشوار ہے، بلکہ دین کی محنت میں اختلاف اور مخالفت یقینی ہے۔ اس کا بھی اشارہ نبوی ارشادات میں ہے۔

۱۶-۲۰ ویں صدی کے واقعات اور حوادث کے ہجوم میں دین کی محنت کا وجود نبوی اشارہ ہے۔ دین کی محنت کا ارتقا بھی نبوی اشاروں سے ہوا ہے۔ الٰہی نظام سے ہوا ہے۔ دین کی محنت کا تسلسل بھی اسی پر موقوف ہے۔

۶ صدی عیسوی نبوت اور بعثت کا وجود جو عالمی، عمومی، عوامی ہے۔ تین صدیاں اسلامی نظام والی۔ غلبہ والی اور ۹ ویں صدی عیسوی تک یہ سلسلہ رہا۔

۹-۱۲ اویں صدی زوال کی طرف لے جانے والا نظام۔

۱۲-۱۶/ ایک خلا۔ کسی نظام کو غلبہ نہیں۔

۱۶-۲۰/ ویں صدی باطل نظام کا غلبہ۔ نبوت کے خلاف جمہوری نظام کا دبدبہ۔ اسلام کو ختم کرنے کا منصوبہ۔ اس منصوبہ کا رد دین کی محنت۔ عمومی۔ عوامی۔ عالمی محنت۔ اب کشمکش۔ باطل کا غلبہ۔ دین کا غلبہ؟

ان شاء اللہ دین کا غلبہ ہوگا۔

(۴) دینی محنت نبوی دل و دماغ سے

مشکل یہ ہے کہ ہمارے دل و دماغ کی تربیت نبوت کے معنوی سانچہ میں نہیں ہے۔ بلکہ مادی نظام تعلیم میں

اور مادی سماج میں ہوئی ہے۔ باطل کے معاشرہ میں ہوئی ہے۔ دینی محنت کسی مادی اثاثہ پر نہیں ہے۔ جس میں محنت کرنے والے حصہ داری کی بات کریں۔ محنت کرنے والے پہچان لیے گئے ہیں تو حصہ دار ہو گئے ہیں۔ یہ جمہوریت ہے۔ محنت کرنے والے طویل عرصہ سے محنت کر رہے ہیں تو حصہ دار ہو گئے ہیں۔ یہ تجارت ہے۔ اسی طرح اسلامی مطالعہ کی بنیاد پر ہم اس محنت کو "خلافت" کے نظام پر قیاس کریں۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ دار بنانے میں متعدد افراد کے ذہن میں اشکال پیدا ہوا تھا یہ تو "بادشاہت" کے نظام کا حصہ ہوا کہ باپ کے بعد بیٹا۔ یہ اسی ذہن کا حصہ تھا کہ ہم اس "محنت" کو NGO کا درجہ دے رہیں یا اسلامی مطالعہ کے تحت "خلافت" پر قیاس کر رہے ہیں۔ کیا خانہ کعبہ کی چابی کا نظام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریعی نظام پر قائم کیا۔ یہ محنت کوئی "خلافت" کی کڑی نہیں ہے کہ یہاں ان اصولوں پر عمل ہو جو "خلافت" کے لیے اسلام میں موجود ہیں۔

بندگان خدا میں "دل و دماغ" کی تربیت کا کام ہو اس کے لیے محنت قائم ہو۔ "ایک اللہ کی بات" انسانی زندگی میں زندہ ہو اس کے لیے محنت ہو۔ محنت عمومی ہو۔ عوامی ہو۔ عالمی ہو۔ اس کا وجود ہوا چاہتا ہے تو اس محنت کو تنظیم کا ڈھانچہ دے دیا جائے۔ یہ قدم غلط ہوگا۔ فیصلہ غلط ہوگا۔ اسی طرح اس محنت کو "خلافت" کا درجہ دے دیا جائے تو یہ خودکشی ہوگی۔ خودسوزی ہوگی۔ عالم انسانی کی خبروں کا اثر لینے والا ذہن یہی کہے گا کہ اب اس کام کو اس طرف یا اس طرف لے جایا جائے تو اچھا ہوگا۔ تو یہ خودکشی ہے۔ خودسوزی ہے۔

یہ محنت غلبہ، عزت، شوکت کے نقشوں کو پیدا کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ الٰہی فیصلوں کو پیدا کرانے کے لیے ہے۔ کاش ہم لوگ حضرت مولانا محمد سعد کاندھلوی کو وجہ بنا کر اس محنت کو خراب نہ کرتے۔ اس محنت کی عظمت کو نہ مٹاتے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کے بیٹے یحییٰؑ کو نبوت نہیں دی۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی کو نہیں مانگا۔ یہ محنت مادی اثاثہ لے کر بھی انجام نہیں دی جا رہی ہے۔ بنگلہ والی مسجد کی جو حیثیت ہے اس میں بھی حصہ داری کا قاعدہ وضابطہ نافذ نہیں ہوتا ہے۔ یہ کوئی درگاہ نہیں ہے جہاں (نذرانہ) "چڑھاوا" کی تقسیم کا سوال ہو۔

"دینی محنت" معنوی شئی ہے۔ معنوی نظام میں جگہ اور فرد کا انتخاب تکوینی اشارے سے بھی ہوتا رہا ہے۔ تکوین کو تشریعی اصول پر قیاس علم اور فہم کی غلطی ہے۔ تکوینی نظام کے خلاف آواز بلند کرنا۔ کوئی اقدام کرنا یہ تو "سامری" کردار

کو زندہ کرتا ہے۔ یہ سب لوگ ایک ''بخار'' میں جل جائیں گے۔

(۵) دینی محنت میں انحراف

دینی محنت کی توسیع اور استحکام میں صوبہ گجرات، علی گڑھ یونیورسٹی، پاکستانی افراد نے غیر معمولی کردار ادا کیا۔ اساسی کردار ادا کیا۔ نا قابل انکار کردار ادا کیا۔ ان کی صلاحیتوں نے، جان و مال کی بیش بہا قربانیوں نے سارے عالم میں دعوتِ دین کی ہوائیں چلا دیں۔

بہار اب جو گلشن میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

اس دینی محنت میں جو افراد کی تربیت کا کام ہو رہا تھا اس میں علاقوں کی نگرانی کا کام کمزور تھا۔ مراکز کا نظام، جماعتوں کی نقل وحرکت کا نظام ''علمی نگرانی'' سے دور تھا۔ یہ ایک ضعف تھا جو آگے بڑھ کر فکری انحراف کی صورت میں سامنے آنا شروع ہوگیا۔ جس کا سامنا مولانا محمد سعد کو کرنا تھا۔ تقدیری طور پر یہی مقرر تھا۔

علاقوں کے مراکز، جماعتوں کی نقل وحرکت، اجتماعات کے نظام میں ایک خلاء قائم ہوگئی تھی۔ یہ خلاء ''علم سے دوری'' کی تھی۔ دین کی محنت کے لیے ''علم دین'' جزء لاینفک ہے۔ اس محنت میں علم دین کا انکار نہیں تھا مگر بے اعتنائی موجود تھی۔ اسی لئے حضرت مولانا محمد سعد صاحب نے تجربات کے بجائے سیرت صحابہ کے اصولوں کی روشنی میں کہنا شروع کیا۔ احتیاج کے احساس کی کمی تھی۔ یہ ضعف پختہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس نے ۱۹۹۵ء کے بعد یعنی مولانا انعام الحسنؒ کے انتقال کے بعد ایک درجہ کا انحراف کی صورت قائم کر لی۔ اوپر سے نیچے تک ہر سطح پر محنت کرنے والے علم کو محنت کے نیچے رکھنے کے عادی ہیں۔ جب کہ یہ علم، علمِ نبوت ہے اور علمِ نبوت ہی محنت کا نہج ہے۔ اگر محنت میں علم کو ذمہ دار بنا دیا جائے تو یہ بات دور نہیں ہے کہ ہر علاقے میں گروپ بن جائیں گے کیونکہ محنت والے صرف برکت کے لیے علماء علماء کہتے ہیں۔ کیونکہ اصل مرکز میں علم ہی کو نیچا رکھنے کی جب کوشش ناکام ہوگئی تو محنت والے علیحدہ ہوگئے اس لیے یہ کردار ہر جگہ موجود ہے۔

اس انحراف کا چہرہ اس وجہ سے بھی سامنے آیا جب مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی جمع کردہ احادیث کا مجموعہ

''منتخب احادیث'' نامی کتاب منظر عام پر آئی۔ عجیب بات ہے۔ جس شخصیت کا صوبہ گجرات، علی گڑھ کے افراد، پاکستانی افراد مرہون منت ہیں۔ ان ہی کی سعی جمیل نے دعوت دین کا احساس ان کو دیا۔ اوصاف حمیدہ سے مالا مال کیا۔ ان کی تالیف سے اجنبیت؟

دعوت الی اللہ کی نسبت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو منتقل ہوئی۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے دعوت کے میدان میں متعدد افراد کو منتقل ہوئی۔ ان افراد میں دعوت کی نسبت کے باقی رہنے کا ایک راستہ یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی کتاب ''حیاۃ الصحابہ اور منتخب احادیث'' سے فکری اور علمی طور پر وابستہ رہا جائے۔ ان دونوں کتابوں میں جس عمل کو، جن اصولوں کو، جس منہج کو خوب واضح کر کے پیش کیا گیا ہے اس کو زندہ کرنے میں صفت احسان کے ساتھ زندگی گزاری جائے۔ اس سے انحراف نہ کیا جائے۔ نہیں تو اس ''نسبت'' سے دوری ہوگی۔

یہ دراصل ایک مرض ہے جو ''حضرت جیؒ کے دور میں پیدا ہو کر بڑھتا گیا جس نے مخالفت، عداوت کی راہیں ہموار کر دیں۔ اب یہ مرض ۲۰۱۴-۲۰۱۶ء فساد کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ علی گڑھ منحرف ہے تو گجرات متشدد ہے اور پاکستان مضطر ہے۔ ان سب نے جس کو ملامت کا نشانہ بنایا ہے وہ ذات مولانا محمد سعد کاندھلوی کی ہے۔ حالانکہ وہ محسود ہیں۔ جب کہ وہ محمود ہیں۔ یہ تاریخی حقیقت ہے۔

مولانا محمد سعد کاندھلوی نے اس محنت کو جس رخ پر ڈالا ہے وہ ''احساس'' کی مثال ہے۔ مگر ہمارے مرض نے کچھ کا کچھ بنا ڈالا۔ ایک بے چینی ہے جو محنت میں محسوس ہو رہی ہے۔ لعل اللّٰہ یحدث بعدذلك امرا.

(۶) دینی محنت میں استحقاق

ہمارے اندر مرض نے اس طرح جگہ بنائی کہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی امارت کے دور میں ''محنت'' کے رنگ وروپ کے پیش کاروں کو آہستہ آہستہ خود کو ''انشراح کامل'' والا سمجھا دیا۔ حضرت جی تو برکت کی چیز ہیں۔ کام تو ''مابدولت'' کی وجہ سے عالم میں پھل پھول رہا ہے۔ جیسے بنگلہ والی مسجد کی ضرورتوں کے لیے ''دوماہ کی ترتیب'' اس سے سارے عالم کو فیض پہونچا اور ساتھ ہی بنگلہ والی مسجد کو عملہ ملا۔ اس صورت کو پیش کرنے والوں کے جبرئیلی بازو لگ گئے وہ

تکوینی نظام میں الٰہی فیصلوں کے نافذ کرنے والی شخصیت کا درجہ سمجھ بیٹھے۔اب ہم بھی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بانی ومبانی کا درجہ رکھتے ہیں۔اب انھوں نے مولانا محمد سعد کاندھلوی کا سامنا کیا تو یہ لوگ غرّانے لگے۔

اسی طرح علاقوں کے مراکز میں نظام چلانے والے طبقہ کے اندر زعم جنم لے گیا۔ہم تو ایسے ہیں کہ ملک کے مشورہ کو حاجی عبدالوہاب سے جوڑ دیا۔ یہاں وہاں کو ایک بنادیا۔تدبیروں کے حاملین نے یہ جتادیا کہ کام تدبیروں ہی سے چل رہا ہے۔

اب جب مولانا محمد سعد کاندھلوی نے ہدایات کے دوران تدبیروں کو اکھاڑ پھینکا۔اپنی جگہ کو لوگوں نے کھسکتے ہوئے پایا تو حملہ آور ہوگئے:۔

''ہمارے علاقہ میں ''منتخب'' نہیں پڑھی جائے گی''۔

واضح رہے کہ کام الٰہی اشاروں سے چلے گا۔ یہ اشارے سب کو محسوس نہیں کرائے جاتے ہیں۔بلکہ کسی ایک پر منکشف کرایا جاتا ہے۔اس محنت میں ''وہ'' خانوادۂ محمد الیاس کاندھلوی کا ہی فرد ہوگا۔اب اگر ''وہ'' مولانا محمد سعد کاندھلوی ہوں تو اعتراف وتسلیم ہی ''ایمان'' ہے نہ کہ بنگلہ والی مسجد کے نظام میں افراد کو اوپر نیچے کرنے کا منحوس فعل کو رواج دیا جائے۔درباری نظام اس ''محنت'' میں نہیں ہے۔یہ درباری نظام ہی ہے کہ مرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں ایک موقع پر یہ تقریر کرائی گئی ''یہاں کوئی امیر نہیں ہے'' جب کہ یہی کہنے والا بہت مرتبہ یہ کہہ چکا تھا کہ ''ان کی مانو''۔مستقبل میں ''دینی محنت'' اندیشوں کے سایہ میں ہے۔کاش ہم یہ سب کچھ نہیں کررہے ہوتے۔آج ماضی کا اثر ہے،کل پر آج کا اثر ہوگا۔

بس اب تو ''محنت کرنے والے'' انحراف کی طرف ہے۔استحقاق کے احساس نے انحراف کی راہ پیدا کردی ہے۔کون سا مرکز ہے جہاں ''دہاڑ'' نہیں سنائی دے رہی ہو۔کون سی جماعت ہے جو نفس کے پجاریوں سے خالی ہو۔کون سا اجتماع ہے جو علاقائی بے چینی کو پیدا نہ کررہا ہو۔اس حالت کا مولانا محمد سعد کاندھلوی کو ذمہ دار ٹھہرانا بھی فساد ہی کا حصہ ہے۔

احادیث نبویہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ انحراف اور فساد ایک وقت تک رہے گا پھر نظام کا جدید حصہ ہی سبب بنے گا جو زوال کو عروج عطا کرے گا۔ہم نے جو کیا ہے اس کو ہمارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔گجرات،علی گڑھ یونیورسٹی، پاکستان اپنے نامہ اعمال کی فکر کرے۔کچھ لوگ اور بھی ہیں جو اپنے اعمال کی فہرست کو پاک کریں۔اللہ تعالیٰ

نے پاک صاف پانی دیا ہوتو اس کو گدلا بنانا بھی غلط ہے۔ گندا بنانا بھی گناہ ہے۔ ''دینی محنت'' تو صحابہؓ کی طرح ہوگی۔ ہر بات سے اوپر اٹھ کر دینی نفع کو بنیاد بنا کر ''دینی محنت'' ہوگی تو وہ دینی محنت ہے۔ موجودہ صورت حال کی ذمہ داری تو کسی نہ کسی کے حصہ میں درج ہوگی۔ حساب و کتاب تو ہوگا۔ نئی نسل کے ہاتھ کیا لگا اس کا سوال ضرور ہوگا۔

بندگانِ خدا جو عمل کر رہے ہیں۔ محنت قائم کر رہے ہیں۔ نقل وحرکت کو جاری رکھے ہوئے ہیں وہ عادت کا درجہ بھی ہوسکتا ہے۔ بدن کے اصولوں میں سے ہے کہ وہ عمل پر آجاتا ہے تو وہ کرتا رہتا ہے۔ محنت کا بھی درجہ ہوسکتا ہے۔ عادت اور محنت سے اس وقت کام ہوتا ہوا نظر آرہا ہے ایک بار پھر عمومی قربانی نے اگر راہ پالی تو باطل اس بار نیست ہو ہی جائے گا۔

میوات اور شہر دہلی کو الگ کر کے دیکھا جائے تو شہر لکھنؤ ایک نہایت امتیازی درجہ کا شہر ہے۔ جس صبح حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھنؤ پہنچے۔ حضرت الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا جذب لے کر وہ محنت کا پہلا دن تھا۔ نہایت سنجیدگی ومتانت کے ساتھ محنت شروع ہوئی اور ابھی تک سنجیدگی ومتانت باقی ہے۔

یہ لکھنؤ ہی ہے جس کو مولانا علی میاں کی وجہ سے بنگلہ والی مسجد کے بعد ''شہر دعوت'' کی نسبت حاصل ہے۔ مولانا الیاسؒ کے اشارے ہوں یا مولانا یوسفؒ کے رموز۔ مولانا انعام الحسنؒ کا تدبر ہو یا مولانا سعد کا تجدّد۔ سب پر لبیک کہنے والا شہر۔ لکھنؤ شہر۔ ندوۃ العلماء کا سایہ بنگلہ والی مسجد پر۔ خانوادہ الیاس کا اثر خانوادہ علم اللہ حسنی پر حضرت سید احمد شہیدؒ کا اثر خانوادہ الٰہی بخش پر۔ یہ بھی غیبی اشاروں میں سے ایک اشارہ ہے۔ حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ''منتخب احادیث'' کا محرّک ہی ''محنت'' کا پاسبان ہے۔ حضرت اقدس مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے مولانا سعد کو متوجہ کیا کہ دادا کی کتاب کو تلاش کرو۔ مولانا طباعت کو چاہتے تھے۔ سو طباعت ہوئی۔ لکھنؤ کی مناسبت تھی کہ پہلے ہی دن سے مساجد میں کتاب عملاً سنائی جانے لگی۔ ہندی ترجمہ کی سعادت بھی لکھنؤ کو حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ بنگلہ والی مسجد کو ندوۃ العلماء اور شہر لکھنؤ سے تردّد کا ذرہ نہیں ملتا ہے۔ دونوں خانوادوں کا سنگم ہے شہر لکھنؤ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ شہر لکھنؤ بنگلہ والی مسجد اور خانوادہ الیاس--- مولانا محمد سعد کاندھلوی--- خانوادہ علم اللہ حسنی سے وابستہ رہے۔ انحراف کا کوئی شمہ نہ پیدا ہو۔ یہی کن فیکون اشارہ ہے۔ اگر پیدا ہوتا ہے تو حیرت میں ڈالنے والا نہیں ہوگا بلکہ بیدار کرنے والا ہوگا۔

(۷) دینی محنت میں جمہوری راہ

آپ کی (سات عدد ''پرانوں'' کی جس میں ۳ علماء اور ۴ غیر علماء) تحریر پڑھنے کو مل گئی۔ اس سے قبل بھی متعدد تحریریں پڑھی تھیں۔ اس موقع کو پانے میں انٹرنیٹ مددگار رہے۔ ہم کو امید ہے کہ یہ کذب وافتراء کے نظام کے تحت ہے۔ جو باطل چلا رہا ہے۔ کسی طرح سے یہ مان لیا جائے کہ آپ ہی کی تحریر ہے تو عرض ہے:۔

تحریر کے منطقی اصول بتا رہے ہیں کہ آپ مولانا محمد سعد صاحب کو تسلیم ہی نہیں کر رہے ہیں۔ آپ کا مطالبہ ہے کہ ان کو تابعدار بن کر رہنا ہوگا۔ اگرچہ آپ نے نہج کا معاملہ درج کیا ہے۔ حضرت مولانا الیاس کا مکتوب اب یاد آیا جب کہ اس سے پہلے امیر ہی بنایا گیا، تو جب مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی منشا یہ تھی تو مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امیر کیوں بنایا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ مولانا انعام الحسن حضرت جی تھے۔ گجرات، علی گڑھ، حضرت جی تھا۔ ایسا تو نہیں تھا کہ آپ نے مولانا انعام الحسن صاحبؒ کو یرغمال بنالیا تھا۔ ان کو محبوس کر دیا تھا۔ عوام کو دکھانے کے لیے حضرت جی تھے اور آپ لوگ برسر پیکار تھے۔ یہ تو دینی نقطہ نظر سے جرم ہے۔ پھر آپ لوگ شرعی نقطہ نظر سے قابل سزا ہیں۔

کاش آپ سات میں سے تین کا شرعی اور فقہی مطالعہ اچھا ہوتا۔ سیرت بھی دیکھی ہوتی۔ آپ لوگ اپنے فارمولہ کے نفاذ کے لیے مولانا محمد سعد کے انتقال کا انتظار کریں یا قتل کا انتظار کریں۔ جیسا کہ ایک شخص بار بار کہہ رہا ہے جس کو آپ لوگ مرکز میں پناہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرکز کی اندرونی صورت حال کو محفوظ کر دیا۔

ملکی جوڑ میں مصافحہ کے لیے کسی کا آنا۔ کرسی پر بیٹھ جانا۔ آواز لگانا۔ مصافحہ کرو مصافحہ کرو۔ پھر اس خلفشار کی بڑی مہارت سے Film بنانا۔ اس کو دیگر ممالک کے ذمہ داروں کی طرف بھجوانا۔ اس کو کرانے کے لیے دھڑ منڈے نوجوانوں کو جمع کرانا۔ بار بار یہ کہنا!

ہو چکی تبلیغ اب یہاں خون بہے گا۔

پھر اسی کو گلے لگانا۔ پشت پناہی دینا۔ یہ سب اور بھی کچھ مولانا محمد سعد کرا رہے ہیں۔ خوب بہت خوب!

رہا معاملہ نہج بدلنے کا:۔

یہ تو ہم لوگ بہت پہلے سے جانتے ہیں مولانا علی میاں کے بیانات میں تاریخ وسیرت بیان ہوتی تھی تو آپ لوگ فکر مند ہو جاتے تھے۔ کہ نہج بدل جائے گا۔ یہاں تک کہ عین بیان کرتے ہوئے کرسی سے اتارے گئے۔ شہر علی گڑھ

میں۔ اورنگ آباد میں۔ اوربھی مواقع ہیں۔مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اخیر زمانہ میں غیروں کومخاطب کرنے لگے تھے۔تو آپ فکرمند ہوئے کہ نہج بدل رہا ہے۔آپ کا درجہ کیا ہے۔آپ House کے ارکان ہیں۔موسس، قدیم کا رکن ہیں۔کیا ہیں آپ۔حصہ داری چاہتے ہیں۔تو ہم بھی حصہ دار ہیں۔ یہ ندوہ ہے۔ یہ مولانا علی میاں ہی ہیں۔ یہ لکھنؤ ہی ہے جس نے ۱۹۴۴ء میں اس محنت کو گود لیا۔اس وقت علی گڑھ، گجرات، ممبئی، پاکستان خواب غفلت میں تھا۔ دنیا میں محنت ندوہ کی مرہون منت ہے۔ جو ہمارا حصہ بنتا ہے وہ نہ علی گڑھ کا نہ گجرات کا نہ پاکستان کا۔ممبئی اور بنگلور دست بستہ کھڑا ہی رہے تو اس کی عزت ہے۔ بنگلہ والی مسجد میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ بھرپور حصہ ہے۔ ہم اب تک چپ تھے۔اب ہم بھی دعویدار ہیں۔روز اول سے دینی محنت اور خانوادہ علم اللہ حسنیؒ کے درمیان معنوی رشتہ ہے۔خانوادہ الیاس کا خانوادہ علی ندوی سے غیر مرئی رشتہ ہے۔

بنگلور کے ارادے پورے ہورہے ہیں۔ان کو ہم لمبے عرصے سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ خود کو جو سمجھ رہے ہیں بس آخرت کا انتظار کریں۔علی گڑھ کچھ نہیں ہے۔ یہ دعوت کی محنت ہے جس نے علی گڑھ کا درجہ قائم کیا ورنہ علی گڑھ تو روس کا پجاری تھا۔فتنوں کی آماجگاہ تھا۔ایک پہلو سے آج بھی بارود کے ڈھیر پر ہے۔گجرات کو اپنی آفاقیت پر نہیں پھولنا چاہئے کہ ہم ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ نظام الدین ہمارا محتاج ہے۔ دولت ہمارے پاس ہے۔عہدہ ہمارے پاس ہے۔ دینی محنت کی ترجمانی کی زبان ہمارے پاس ہے۔افریقہ میں آپ؟ ہندوستان میں آپ؟ برطانیہ اور ساؤتھ افریقہ کو دنیا نہیں کہتے۔

پیش کار صاحب نے ناک کان کٹوا کر مثلہ کرالیا۔شاید ان کو اپنا عہدہ کھا گیا۔ان کو ہم اس وقت سمجھ گئے تھے جب انھوں نے آج سے ۱۵/ ۱۶ برس پہلے لکھنؤ کی ایک مسجد میں مخالفت کے شرارے اگلے تھے۔

یہ سب ہم اہتمام میں لکھ رہے ہیں۔شاید کہ اتر جائے ترے دل میں.......

رہا معاملہ مولانا محمد سعد صاحب کا علمی مسائل کی راہ میں رائے دینا تو ہم نے اس کو ''تفردات'' کا درجہ دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان ومرتبت سے کون ناواقف ہے۔ان کے مزاج اور طریقہ کار سے مدینہ منورہ میں ایک طرح کا دباؤ بنا رہتا تھا۔تو کیا اصحاب رسولؐ نے امت کو ملیا میٹ کر دیا تھا۔آپ نے مولانا محمد سعد کے چکر میں امت کو ملیا میٹ کر دیا۔حضرت عمرؓ کے بھی تفردات ہیں۔اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے بندہ کے تفردات کو معطل کر دیتے ہیں۔جب تک وہ زندہ ہے لگتا ہے کہ یہ خیالات پھیل جائیں گے۔مگر بعد میں وہ معطل ہوتے ہیں۔حضرت شاہ ولی اللہ کے

تفردات تھے۔کیا وہ باقی ہیں؟ وہ بھی معطل ہو گئے۔کاش آپ لوگ تاریخ وسیرت کو عمل میں لاتے۔

تردید وتنقیص کا گفتگو میں آنا تو یہ غیر اسلامی فعل نہیں ہے۔ دعوتی ضرورت کے پیش نظر ہمارے یہاں ممنوع کہا گیا تھا۔اب صاحب دعوت مولانا محمد سعد صاحب اس کو گفتگو کا حصہ بنا رہے ہیں تو آپ ''پرانوں'' کو اعتراف وتسلیم کرنا چاہئے تھا۔نہ کہ دعوت کی محنت کو خون کے گھاٹ اتار دینا۔امت کو ملیا میٹ کرنا۔مولانا سعد سے جو ہوا وہ کیا درجہ رکھ رہا ہے۔آپ جو کر رہے ہیں اس کا درجہ کیا ہے۔آخرت میں دیکھنے کو ملے گا۔

یہ کہنا کہ مسجد مسجد اختلاف کی صدائیں بلند ہیں۔لڑائیاں جھگڑے ہو رہے ہیں۔خوب خوب۔اب آپ کو معلوم ہوا۔کاش آپ لوگ علاقوں کی خبر گیری کرتے۔عمومی کام کو عوام میں کرتے۔یہ تو ہم خود ۱۹۹۰ء سے دیکھ رہے ہیں۔بالخصوص آندھرا، مہاراشٹرا، کرناٹک، تمل ناڈ میں۔واضح ہو کہ آج کل کا نتیجہ ہوتا ہے۔کل آج کا نتیجہ ہوگا۔اس قاعدہ سے آپ واقف بھی ہوں گے۔اس فتنہ کا سبب مولانا سعد صاحب بن رہے ہیں۔یہ بھی خوب ہے۔مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ۔

ہوسکتا ہے کہ آپ یہ کہیں کہ یہ اجنبی کیا جانے اور ہماری تحریر کو نظرانداز کریں۔ہم لوگ تو ''پرانے'' ہیں۔جی بالکل درست۔

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مٹ رہی ہے

دیر ہوگئی ہے۔اب آپ واپس آنے کی جو شرط لگا رہے ہیں وہ تو آپ کے لیے محرومی کا سامان ہے۔

افسوس صد افسوس آپ لوگوں نے امت کو مٹا دیا۔دین کی محنت کو میٹ دیا۔نہج کی حفاظت کے نام پر اسٹرائک پر بیٹھے ہیں۔اسٹرائک تو نبوی نہج نہیں ہے۔ہمارے یہاں یہ طے ہے کہ ہم پاکستان کو اساسی درجہ نہیں دیں گے۔آپ لوگ زور لگاتے رہئے۔یہ ہونے والا نہیں ہے۔بنگلہ والی مسجد مؤید من اللہ ہے۔مقرر و منتخب ہے۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی ذریت کو غیبی اشارہ ہے۔اس کو مولانا یوسف صاحبؒ بار بار فرماتے رہے ہیں۔اللہ نے ہمارے گھر کو قیامت تک کے لیے چن لیا ہے۔علی گڑھ، گجرات، کرناٹک نے ایک چھلانگ اور لگالی ہے۔اب نظام الدین ختم۔جہاں عمل ہو وہ نظام الدین۔ملکوں ملکوں یہی پیغام بھیجا جا رہا ہے۔ٹرمپ کارڈ بھی استعمال کرلیا۔مرکز ختم۔کیوں مولانا ابراہیم نے مرکز چھوڑ دیا۔

ہم لوگ اب Firing, Bombing کے نظارہ کے انتظار میں ہیں۔ دیوبند کو بھی شامل کرلیا۔ ندوہ کی طرف دو برس میں دس سے زائد وفود آئے۔ حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب پانچ مرتبہ آئے۔ شاید جواب مثبت میں نہیں ملا۔ ایک طرف ''تدابیر'' اور ایک طرف ''امر اللہ''۔

الٰہی اشارہ سے کھلواڑ نہ کریں نہیں تو سامری بننا پڑے گا۔

(۸) دین کی محنت میں زخرف القول

"وکذلك جعلنا لکل نبی عدوا شیٰطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غروراً ولوشاء ربك مافعلوه فذرهم ومایفترون". (انعام:۱۱۲)

نبی کے ساتھ انسانوں میں سے اور جنوں میں سے ایسے لوگ لگائے جاتے ہیں جو بات کو خوبصورت بنا کر ذہن کے راستہ سے، خیال کے راستہ سے پہونچاتے رہتے ہیں۔ ایسا ہونے دیا جائے گا تاکہ امتحان اور فتنہ کا نظام چلتا رہے۔ امتحان اور فتنہ چھانٹنے کے لیے ہوا کرتا ہے۔ مفروضات کو چھوڑنا ہی حفاظت کا راستہ ہے۔ وہم اور اندیشہ کے بنیاد پر نبی کام نہیں کرتے ہیں، ہدایات اور رہبری کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔

وحی کے ساتھ ساتھ القائی سلسلہ عداوت والے انسان اور جنات چلاتے ہیں۔ یہ سمجھ پانا کہ ہمارا ذہن وحی کے نظام سے مربوط ہے یا عداوت والے سے، ایک مشکل ترین کام ہے۔ وحی کے لئے اصطفا اور اجتباء شرط ہے۔ القاء کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔ خیال اور ذہن عداوت والے سے محفوظ ہے۔ اس کا ادراک مشکل ہے۔ نبوت کے ساتھ جب سلسلہ ہے تو دعوت کے ساتھ بھی یہ سلسلہ رہے گا۔ کیونکہ دعوت الی اللہ نبی کی نبوت سے ہے۔ نبوت کو اوصاف حمیدہ سے مراشد امور کا حصول ہے۔ نبی کی صحبت اور رفاقت کے دائرہ میں قیود و شرائط ہیں۔ غیبت اور حسد، چغل خوری والے قیود و شرائط سے باہر ہیں، اس لیے ایسے رفقاء مراشد امور سے محروم ہیں۔ مقاصد نبوت کی تحصیل اور تکمیل میں رفقاء کا اوصاف حمیدہ سے متصف ہونا اور رہنا دونوں لازم ہے۔ نبی کے رفقاء نبی کی روش کے پیروکار ہیں۔ دل و دماغ کی جملہ توانائی صرف اور صرف نبی کے لیے ہے تو وہ رفقاء اب جانشین ہیں۔ نہیں تو رفاقت اور صحبت کو ضائع کرنے والے ہیں۔ لا ینال عهدی الظٰلمین.

ایسا ہی دعوت الی اللہ کے نظام میں ہے۔محنت والے رفقاء ہیں۔رفاقت میں نظام اصطفاء اور نظام اجتباءنہیں ہے۔اس لیے ان کو الہام نہیں ہے۔کسی نے خود کو ایسا سمجھ لیا تو اب عداوت والے کو موقع ملے گا وہ ہر خیال کو مراشد امور کا درجہ دے گا اور پھر دھوکہ کھا کر ''زخرف القول'' کو قبول کرے گا۔دینی محنت میں تدبیر کو دخل نہیں ہے بلکہ مشورہ اور رہبری کو دخل ہے۔دینی محنت میں صلاحیت اور اہلیت کو دخل نہیں ہے بلکہ اصطفاء اور اجتباء کو دخل ہے۔صلاحیت اور اہلیت سے محنت آسان ہوا کرتی ہے مگر مکمل نہیں ہوا کرتی ہے۔تکمیل تو الہام سے ہے اس کے لیے اصطفاء ہے۔اجتباء ہے۔اصطفاء اور اجتباء والے کے لیے الہام ہے۔الہام میں طہارت اور حفاظت ہے۔خیال میں طہارت اور حفاظت نہیں ہے۔امکان ہے۔امکان میں یقین نہیں ہے۔

دعوت الی اللہ میں رہتے ہوئے بشری ضرورت پوری کر کے عبادت (علم اور ذکر) میں لگنا ہے۔جب عبادت (علم وذکر) سے خالی رہے گا تو دعوت الی اللہ میں جو بات اندر میں پرورش پائے گی وہ روحانیت کے بجائے ہوگی۔جب روحانیت کمزور ہوگی تو نفس اچھال مارے گا تو اب نفس کی راہ سے حق میں شر کا التباس ہوگا۔یہ التباس ہی شیطانی تجاویز کو دعوتی اور روحانی تجاویز بنا دیتا ہے۔ ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے ہمارے اندر میں ایسے لوگ ملے جن کی رائے سے بڑا نقصان ہوا۔برابر ایسے لوگوں کی مثال ملتی رہی جن کے ذریعہ نقصان پہونچتا رہا۔

علماء کو،صلحاء کو دعاۃ الی اللہ کو ایسے لوگوں کا سامنا کرنا پڑا۔مجددین،مفکرین کو سامنا کرنا پڑا۔اس طرح لوگ اندر رہتے ہوئے نقصان پہونچاتے ہیں۔یہ ایک شیطانی نظام ہے۔شیطانی سلسلہ ہے جو حملہ کرتا ہے۔اس حملہ کا اثر براہ راست دین اور دین کی محنت پر پڑتا ہے۔یہ حملہ ''زخرف القول'' کی راہ سے ہوتا ہے۔

شیطانی عداوت کی انسان کے قالب میں جو چھپ کر خاموش راستہ سے نہایت باریکی سے اثر ڈالتا ہے جو پیغام بن کر رائے بن کر،تجاویز کی صورت میں سامنے آتا ہے۔جب اس کے نتائج مرتب ہوتے ہیں تو شیطان کی عداوت ظاہر ہوتی ہے۔یہی ہے وہ جو ''زخرف القول'' ہوا کرتا ہے۔

ہماری اس محنت میں بھی ایسا ہوتا ہوا دیکھا گیا ہے۔مولانا انعام الحسن صاحب کی بیماری اور پیرانہ سالی کو بنیاد بنا کر ایک باختیار جماعت کا بنانا۔ اس کے بعد مولانا کو باقاعدہ مشورہ کے عمل میں نہ لانا۔ دینی محنت کو چار حصوں میں انتظامی طور پر منقسم کرنے کا منصوبہ۔انڈیا،پاکستان،بنگلہ دیش،لندن،آہستہ آہستہ مخصوص چہرہ۔افراد۔

کی یہ عادت پختہ ہوتی چلی گئی۔

انسانی دل ودماغ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ انسان کی اس طرح کی پرورش/ روش/ تربیت انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔ پھراس کے یہ اثرات خوب خوب رنگ دکھاتے ہیں۔ گھر گھر کی زندگی، انفرادی واجتماعی زندگی اس پر گواہ ہے۔ اسی میں دشمن کی دشمنی جگہ بناتی ہے اور ''زخرف القول'' کے راستہ تمام تر سازش انجام پاتی ہے۔

(۹) دینی محنت میں جماعت بندی دین ہے- علیٰحدگی بے دینی ہے

ذمہ دار عمومیت کے ساتھ رہے۔ امتیازی صورت اختیار نہ کرے تو عمومیت ہے۔ اس سے اجتماعیت طاقتور ہوتی ہے۔

خدمت والا ذمہ داری کے احساس میں ہو تو یہ ذمہ داری اجتماعیت کو طاقتور بناتی ہے۔ خدمت والا اجر میں فائق ہے۔

جماعت کے ساتھ رہنا اجتماعیت ہے۔ اجتماعیت میں آسانیاں ہیں۔ علیٰحدگی میں سختی ہے۔ زحمت ہے۔ دشواری ہے۔

جماعت کے ساتھ رہنا اتنا ضروری ہے کہ سفر بھی جماعت بندی میں ہو۔

جماعت کے ساتھ رہنا ہدایت پر رہنا ہے۔

کوئی جماعت اور اجتماعیت قول وعمل میں برائی پر جمع نہیں ہوگی۔

جماعت بندی اور اجتماعیت کو اللہ کی تائید حاصل رہتی ہے۔

علیٰحدگی والا شیطان والا ہے۔

جماعت بندی امیر کے بغیر نہیں ہے۔ اجتماعیت امیر کے بغیر نہیں ہے۔

علیٰحدگی ذاتی مقام کو ختم کر دیتی ہے۔ گھٹا دیتی ہے۔

امیر کی حقارت ذاتی مقام کو ختم کر دیتی ہے۔ گھٹا دیتی ہے۔

اجتماعیت میں شبہ کو پھیلانا فساد ہے۔

امارت اللہ کو اور اللہ کے رسول کو بتائے اور ان کی طرف بلائے تو اطاعت لازم ہے۔

جماعت بندی میں یہ بھی ہے کہ نبی کی سنت اور خلفاء نبی کی راہ پر چلا جائے۔

امارت سے ناگواری یہ بھی ایک طرح کی علاحدگی ہے۔

علیٰحدگی پر مرا تو جاہلیت پر مرا۔

امارت ہے تو اطاعت لازم ہے۔

جو امام ہے وہی امیر ہے۔ امام کی بنیاد قرآن ہے۔ صدیق اکبرؓ قرآن کے شاغل۔ اس لیے رسول کے ہوتے ہوئے امام بنے پھر امیر بنے اس لیے صدیقیت اصل ہے۔

دینی محنت اجتماعیت کے ساتھ ہے۔ اجتماعیت میں امارت لازم ہے۔ امارت میں اطاعت لازم ہے۔ دین کی محنت میں امیر کی اطاعت لازم ہے۔

(۱۰) دینی محنت کا اغواء

اچانک ایمانیات والے کیا کرنے لگے۔

نہیں اچانک نہیں ہوا یہ ظاہر اب ہوا۔ یہ ایمانیات والے نہیں تھے۔ کیا تھے چھوڑ و اس کو۔

حساب کے دن کا انتظار کرو۔ کچھ تو بتاؤ یہ ہے کیا!

چلو سنو!

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ''امر'' کے طور پر پیش کیا۔ انھوں نے اس ''امر'' کی بنیاد رکھی۔

اس بنیاد کو ثمر آور درخت بنایا حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے۔ عبقری شخصیت نے لازوال کارگزاری پیش کی۔

بے مثال خطیب۔ تحقیق علم ونظر، فکر وخبر نے دنیا کو مسخر کیا۔

پھر اس کو پختگی کی راہ عطا کی صاحب تدبر نے۔

صاحب تدبر حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے زندگی کے چند برس رہ گئے تھے۔

عمر اور ضعف نے ایک موقع یہ پیدا کیا کہ بعض نے حضرت جی کو یرغمال بنالیا۔ صورت یہ بنی کہ مخصوص افراد ارباب حل وعقد ہوئے۔

حضرت کو محبوس کر دیا۔ خود سب کرتے۔

یہ کرتے کرتے یہ سمجھ بیٹھے کہ عالم میں محنت کا نظام ہمارے وجود سے ہے۔

چند برسوں سے محنت کے نظام کو شکل وصورت دینے میں ہماری تجاویز کو دخل حاصل ہے۔

خواب آنے لگے کہ کل ہمارا ہے۔

ہم ہی اس نظام کے بانی ہیں۔ہم ہی ناظم ہیں۔

اللہ نے حضرت جی کو بلا لیا۔

ان ارباب حل وعقد کی نگاہ امر الٰہی سے بہک چکی تھی۔

اس لیے انہوں نے حضرت جی کے بعد ہلچل پیدا کر دی۔

امر الٰہی نے مولانا سعد کو ابھار دیا۔

انھوں نے امر الٰہی کو مٹایا۔خوب منافرت پھیلائی۔

ارے دیوانو یہ تو پہلے بھی ہو چکا ہے۔مولانا محمد یوسف بھی امر الٰہی سے ابھرے تھے۔سب حیرت میں تھے۔

یہ کیا!اس وقت تھے لوگ۔مگر یہ والے نہیں تھے۔

مولانا محمد سعد صاحب کو ان ارباب حل وعقد نے قبول نہیں کیا۔

نظام الدین کی چہار دیواری کسی سیاسی ایوان کے ماحول میں ڈوب گئی۔

مولانا محمد سعد صاحب اپنی پختگی (بقول ارباب حل وعقد ''ضدی'') صلابت ذہنی کی وجہ سے بھاری ہوتے گئے۔بیانات کی وجہ سے عمومی ذہن میں سماتے گئے۔

مولانا محمد سعد صاحب اپنے اقدامی رویہ وطرز سے عداوت کے گھیرے میں گھرتے چلے گئے۔شبہات، الزامات کا طوفان آ گیا۔

اس (عمل ردعمل) نے وہ حالات پیدا کر دیئے کہ لوگ سکتہ میں آ گئے۔

زبان کھل گئی۔آنکھ رو رو کر روشنی کھو بیٹھی۔

ایمانیات والے احتجاج،مطالبہ،الزامات (سیاسی کارروائیاں) کی طرف چلے گئے۔

تقدس پامال ہوا۔

اعتماد زمین بوس ہوا۔

امید کو نیست کا درجہ دیا۔

اف بس کرو۔ سنا نہیں جاتا۔ انھوں نے صرف عام مسلمانوں کو نظر میں رکھا ہوتا تو یہ نہ کرتے۔ انھوں نے خود کو سامنے رکھا۔ اپنے مقام کو سامنے رکھا۔

کرناٹک ٹیپو کے خون کا مجرم تو تھا ہی اب امرالٰہی کا بھی مجرم ہو گیا۔

گجرات عصبیت کا شکار تھا اس دھبہ کو دھونا تو دور کی بات خونی سیاست کا شکار ہو گیا۔

شعبہ جات کے نگراں احساس برتری کے خوگر تھے۔ اس نے ان کو متکبر بنا دیا۔ آبرو ریزہ ریزہ ہو گئی۔ سر شرم سے جھک گیا۔

یہ ماضی کا نتیجہ ہے۔ کل آج ہے۔ آج کل ہے۔

چلو حساب کے دن کا انتظار کرو۔ دعوت کی محنت کو مٹانے والوں کو شیطان کی طرف سے مبارک باد مل رہی ہوگی۔

یہ ارباب حل وعقد مولانا محمد سعد کے مزاج کو برداشت نہیں کر سکے۔

نہیں نہیں یہ اپنی بڑائی اور عُجب میں فنا ہو گئے۔

(۱۱) دینی محنت کا نہج اور منہج

ہماری ''دینی محنت'' جو مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ قائم ہوئی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق جو علمی کام ہوا وہ مختصر ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دینی محنت کے متعلق جو کچھ فرمایا اس کا کچھ حصہ ہی ہمارے پاس ہے۔ ''ملفوظات'' اور ''مکتوبات'' کے نام سے۔ کچھ سینہ بہ سینہ ملفوظات۔

اسی طرح مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس ''دینی محنت'' کو قائم رکھا۔ مولانا سے متعلق بھی جو علمی کام ہے وہ بھی مختصر ہے مگر قدرے تفصیل۔ مولانا نے دینی محنت کے متعلق جو کچھ فرمایا اس کا جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اچھا خاصہ ہے۔

اس کو پڑھنے کے بعد، خوب مطالعہ کرنے کے بعد جو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نہج اور منہج وہ ہے جو قرن اول ہے۔ سیرتِ مبارکہ ہے۔ سیرت اصحاب رسولؐ ہے۔ اس عمل کو زندہ کرنا ہے۔ اس معاشرہ کو زندہ کرنا ہے۔ اس محنت کو زندہ کرنا ہے۔ ان طریقوں کو زندہ کرنا ہے جو قرن اول ہے۔ اس کا ماخذ ہمارے پاس قرآن وحدیث، سنت وشریعت ہے۔ قرن

اول کا عہد ہے۔قرن اول کے واقعات ہیں۔قرن اول کے اصول ہیں۔

اس کے علاوہ ہمارا نہج ہے۔ ہمارا منہج ہے۔ اگر ہے تو اس کو تسلیم کرنے کے بعد کس فیصلہ کے مستحق ہم ہوں گے۔اگر نہج اور منہج مولانا محمد الیاسؒ ہیں تو مولانا محمد یوسفؒ نے حیاۃ الصحابہ کی تالیف کی اور اس کو سنانا بھی شروع کیا تو یہ عمل مولانا محمد الیاس کے ملفوظات کے خلاف ہوا۔

اگر مولانا محمد یوسفؒ ہیں تو مولانا انعام الحسنؒ نے جو کچھ کیا اس کا کچھ حصہ مولانا محمد یوسفؒ کے خلاف ہوا۔کس طرح حضرات ثلاثہ کا نہج اور منہج ایک مانا جائے۔مثالیں بہت ہیں۔بنگلور، علی گڑھ، گجرات نے خود کو کوئی درجہ تو نہیں دے دیا ہے۔ درجہ دے ہی دیا ہے اسی لیے گجرات کے لیے بیرون کے سفر کے لیے دومرتبہ چار ماہ لگانا شرط ہے۔

مولانا محمد الیاسؒ نے تعلیم مولانا تھانوی کی کہی تھی۔مگر مولانا محمد یوسفؒ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ حیاۃ الصحابہ کی تالیف کرتے گئے اور سناتے گئے۔اس تالیف اور سنانے کا مشورہ کہاں ہوا۔کوئی گواہ ہے۔کس فردِ شوریٰ نے احتجاج کیا۔ چوک گئے۔اینٹ سے اینٹ بجادیتے۔

مولانا انعام الحسنؒ کے زمانہ میں فضائل اعمال میں سے ''فضائل درود'' کو پڑھنے سے روکا گیا۔مولانا احتشام کی کتاب کو فضائل اعمال کا حصہ بنادیا گیا۔ یہ تبدیلیاں کیا ہیں۔اس سے کسی کی رگ نہیں پھڑکی۔ پھڑکتی کیسے وہ تو ہم ہی لوگ تھے۔کس کے خلاف آواز بلند کی جاتی۔یہاں گجرات، علی گڑھ، پاکستان خاموش کیوں ہے۔

''منتخب احادیث'' مولانا محمد یوسفؒ نے تالیف کی تھی۔طباعت کی تحریک مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے کی تھی۔ آپ لوگ آخرت میں بدلہ لے لیجئے گا۔بنگلور نے دینیات Fine Touch کا نظام اپنے یہاں قائم کیا۔ یہ کیا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے اپنا درجہ بنگلہ والی مسجد کا دے ڈالا۔ہم لوگ آخرت میں بدلہ لیں گے۔

مسجد کی آبادی کے طریقہ پر اشکال۔اس عمل میں جھول ہے۔اس سے انفرادی دعوت کا وجود ختم ہوگیا۔دروازہ آپ کھول رہے ہیں۔ذرا ٹھہر کر۔اس دروازہ پر بہت لوگ موجود ہیں۔عمارت کے ڈھانے کا خطرہ ہے۔علمائے حق کو روز اول سے اطمینان نہیں تھا کہ اس طریقہ سے امت کی تربیت مکمل ہوگی۔ یہ بڑا سوال تھا۔اندرون میں بہت کچھ کہا جاتا تھا۔ خاموشی خیر کی وجہ سے تھی۔اب ہمارے اندر سے شر باہر آرہا ہے۔خاموشی کے بجائے اب کہا جائے گا۔علی گڑھ، گجرات، بنگلور، پاکستان جواب دینے کے لیے تیار ہے؟

اصل مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مولانا محمد یوسف کاندھلوی اور مولانا انعام الحسن ہیں۔ یہ تینوں تو مرحوم ہوئے۔ محنت بند کردی جائے۔ اب جومحنت کروائے گا تو احتمال رہے گا کہ وہ اصل محنت کر رہا ہے یا اپنی چلا رہا ہے۔ اس لئے یہی ضروری ہے کہ وہ محنت ختم ہوئی جو آپ کے نزدیک اصل ہے۔ ہاں وہ محنت جاری ہے جس کا مرجع اللہ اور اس کا رسول ہے۔ اس سے مربوط ہوکر جومحنت کرنا چاہتا ہے وہ آئے دروازہ کھلا ہے۔ ہم اس لکیر کے فقیر ہیں۔

(۱۲) دینی محنت میں امارت

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی امارت کا مشورہ کب اور کہاں ہوا۔ مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے امیر مقرر کرنے پر اختلاف ''جماعت اسلامی'' نے کیا تھا یا آپ ہی لوگوں نے کیا تھا۔ ان کی امارت پر بھی خوب اختلاف تھا۔

مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ تو دہلی سے چلے گئے تھے۔ ایک سال تک نہیں رہے تھے۔ غالبًا اہلیہ نے فرمایا تھا کہ وہاں کی برکت سے کب تک محروم رہیں گے۔ ایک سال کے بعد مولانا بنگلہ والی مسجد واپس ہوئے تھے۔

مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے امیر مقرر ہونے پر ''جمعیۃ علماء ہند'' نے حیرت کا اظہار کیا تھا۔ نہیں آپ ہی جیسے لوگوں نے اس وقت بھی ڈرامہ کیا تھا۔ گونگا کہہ ڈالا تھا۔ عادت پرانی ہے۔

مولانا محمد سعد کاندھلوی کے نام پر کون آگ برسانے لگا تھا۔ بنگلہ والی مسجد اور خانوادہ مولانا محمد الیاس کو مٹانے کا فیصلہ ہے۔ اسی کے ارادے ہیں۔ تمام باتوں کا خلاصہ یہی سامنے آرہا ہے۔

دعوت کی محنت کے مخلص مولانا عبید اللہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جنھوں نے دعوت کی محنت کے لیے بیٹے کا قتل برداشت کیا تھا۔ اسی لیے وہ الیاس ثانی بھی کہے جاتے ہیں۔ مولانا ابراہیم صاحب اور مولانا احمد لاٹ صاحب اس تاریخ کو خوب جانتے ہیں۔ حالانکہ مولانا عبید اللہؒ کو حق تھا، آپ لوگوں کو کیا ہوا۔ اس ظلم سے بڑا ظلم ہوگا۔ جو مولانا عبید اللہؒ صاحب نے برداشت کیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نیت کا بہت اہتمام کرایا تھا۔ ایمان واحتساب کا خوب اہتمام کرایا تھا۔ نیت میں سارے عالم کی نیت سے عمل کرنے کو سکھایا۔ خوب اہتمام سے سکھایا تھا۔ اس کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمی درجہ کی دینی محنت قائم کی تھی۔ بنگلہ والی مسجد

میں عالم کے وفود کے آنے کا اشارہ دیا تھا۔ اس وجہ سے بنگلہ والی مسجد عالمی نظام کے لیے مرکز ٹھہرا۔ اسی طرح مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف سے قیامت تک کے لیے اپنے گھرانہ کو قبول ہونے کا اشارہ دیا تھا۔ اس لیے مولانا محمد سعد کاندھلوی ہی عالمی محنت کے عالمی مرکز کے ذمہ دار ٹھہرے۔ امیر ٹھہرے۔ حضرت جی ٹھہرے۔

آج مولانا محمد سعد کاندھلوی صاحب کا ذمہ دار ہو جانا۔ امیر بن جانا۔ اس امارت کی حیثیت کیا ہے۔ اس امارت کی حیثیت بہت طاقتور ہے۔ ۱۹۹۵ء میں سہ رکنی جماعت مشورہ سے بنائی گئی۔ یہ بات خوب واضح ہے۔ کھلی حقیقت ہے۔ جس دن سے مولانا محمد سعد فیصلہ کر رہے ہیں۔ لوگ فیصلہ کرا رہے ہیں۔ بنگلہ والی مسجد میں یہ عمل ہوتا رہا۔ رائیونڈ میں ہوتا رہا۔ بنگلہ دیش میں ہوتا رہا۔ بھوپال میں ہوتا رہا۔ حج کے سفر پر ہوتا رہا۔ فیصلہ کرنے اور فیصلہ کرانے کا عمل ۲۰۱۴ء تک ہوتا ہوا دیکھا گیا۔ بس یہ عمل بتا رہا ہے کہ مولانا محمد سعد کاندھلوی ذمہ دار ہیں۔ امیر ہیں۔ ۲۰۱۴ء سے امارت کی حیثیت کو ٹھکرایا جا رہا ہے۔ یہ پہلے ہوتا تو اللہ کی مرضی کے خلاف کہلاتا۔ آج ہو تو بھی اللہ کی مرضی کے خلاف کہلائے گا۔ اب انحراف ہے تو یہ فساد ہے۔ اختلاف ہے تو فساد ہے۔ کام مشورہ سے ہو رہا ہے۔ صاحب دعوت کے انشراح سے فیصلہ ہو رہا ہے۔ عالمی شوریٰ کے انتخاب کا مطالبہ جمہوری ہے۔ نبوی نہیں ہے۔ بنگلہ والی مسجد میں روز مشورہ ہوتا ہے۔ وامرهم شوریٰ بینهم پر عمل موجود ہے۔

جن لوگوں کو اصرار ہے کہ ہمارے واسطے سے امارت کا تعین ہونا چاہئے یہی راہ اصل ہے۔ ہمارے نہ ماننے سے امارت کا تعین غیر شرعی ہے۔ تو یہ ہی غیر شرعی ہے۔

جن لوگوں نے تسلیم کیا ہے کہ مولانا محمد سعد کاندھلوی ہمارے ذمہ دار ہیں۔ ان کے لیے یہ فیصلہ ان کے حق میں ہے۔ اس لیے وہ اب ان کے لیے ذمہ دار اور امیر ہیں۔

نہ ماننے والے علاحدہ ہوگئے۔ علاحدگی نے ان کے وجود کو معطل کیا اور اب ان کا اختلاف غیر شرعی ہوگیا ہے۔ غیر قانونی ہوگیا۔ بلکہ غیر اخلاقی بھی ہوگیا۔

ہم پہلے دن سے اس محنت پر غور کریں تو اس بات کو محسوس کریں گے کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو کن لوگوں نے ذمہ دار بنایا۔ تمام عمر آپ کی زندگی میں اس بات پر کب بات ہوئی۔ جب محنت میں نقل و حرکت قائم ہوگئی تو رائے مشورہ ہوا۔ حصہ داری کی ضرورت وہی لوگ محسوس کریں گے جو موجودہ زمانہ کے ذہن کے لوگ ہیں۔ بلکہ یہ سوال ہی موجودہ نظام تعلیم اور موجودہ نظام معاشرہ کا سوال ہے۔ اس میں تربیت پائے ہوئے دل و دماغ کا سوال ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر ایک بات یہ ہوئی کہ صحابہ کو یہ یاد دلایا جائے کہ اللہ کے رسول مخلوق ہیں۔اس کے لیے مشورہ نہیں ہوا۔خود بخود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کام کیا۔صحابہ نے کبھی اشکال نہیں کیا کہ اس دن ابوبکر نے بغیر مشورہ کے وہ کام کیوں کیا۔ان کا دل ودماغ نبوت کے معنوی سانچہ میں تربیت پایا ہوا تھا۔یہ تکوینی حصہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر حضرت ابوبکر نے امت کو کنٹرول کیا۔امامت/خلافت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر ہو۔اس کا مشورہ ہو۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قیاس واجتہاد پر امت (صحابہؓ) نے قبول کیا۔یہ تشریعی حصہ ہے۔

''منتخب'' نے آپ کے پیٹ میں مروڑ کیوں پیدا کی۔حدیث نبوی سے بغاوت۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپ کے ادعا میں شرعی پہلو کا ضعف ہے۔مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تین حضرات مقرر ہوئے۔شرعی پہلو یہ ہے کہ جب تک یہ تین زندہ ہیں کوئی دوسرا مشورہ اور فیصلہ کی ضرورت نہیں، تین زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تین میں سے ایک بھی ہے تب بھی یہی شرعی فقہی پہلو ہے۔جمہوری پہلو سے گفتگو لاحاصل۔تین حضرات کا تعین نبوی علم،شرعی علم کی روشنی میں دیکھا جائے اور تجزیہ کیا جائے تو بہت کچھ کہا جائے گا۔ہمارے اس فیصلہ پر بھرپور اطاعت کی جاتی تو ۱۹۹۵-۲۰۱۴ء کے طویل وقفہ میں فاسد مادہ جمع نہ ہوتا۔افسوس اس فیصلہ پر مکمل عمل نہ ہوا۔اندرون میں انتشار، بے چینی پیدا کرنے والی کارروائی برابر ہوتی رہی۔

(۱۳) دینی محنت میں خطا اور نسیان

روز اول سے دین کی محنت کے لوگوں پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ عوام کا ذہن یہ ہے کہ ہمارے مشورے خطا سے محفوظ ہیں۔ہمارے ذمہ دار نسیان سے پاک ہیں۔اس کو عقیدت سے جوڑیں تو یہ عقیدت بھی پسندیدہ نہیں ہے۔اس کو واقعہ سے جوڑیں تو یہ بشریت کے خلاف ہے۔

خطا کا نتیجہ خطا والا ہوگا۔نسیان کا اثر مرتب ہو کر رہے گا۔

دین کی محنت ہندوستان سے ہو۔یہ انسانی فیصلہ نہیں تھا۔دین کی محنت کا نکتہ ارتکاز بنگلہ والی مسجد سے ہو یہ انسانی رجحان نہیں تھا۔دین کی محنت کے لیے حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی ذریت ہی محور ارشاد ہو یہ انسانی بندوبست نہیں تھا۔

محنت کرنے والوں نے یہ بہتر سمجھا کہ سارے عالم کے لیے ایک فرد اور ایک جگہ کو مقرر سمجھنا یہ مناسب نہیں ہے۔ بس یہ خطا تھی۔ یہ بھول تھی۔ انھوں نے اس کے لیے یہ کیا کہ ایک مرکز کے بجائے تین مرکز کا تخیل دیا گیا۔ تین تربیت گاہ ہیں۔ IBP۔ تین مراکز لائق ارشاد ہیں۔

۱۹۷۵ء سے آہستہ آہستہ یہ ماحول بنا کہ وقت لگانا ہے تو IBP۔ اجتماع کرنا ہے تو IBP کے احباب کو مدعو کریں۔ اس نے بنگلہ والی مسجد کی روحانی حیثیت کو گھٹایا۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے گھرانہ کا رتبہ مٹایا۔

اس فکر میں خطا اور نسیان نے کام دکھایا۔ آج اسی کا اثر ہے جو دکھائی دے رہا ہے۔

ممالک (افریقہ/ امریکہ/ یورپ/ آسٹریلیا وغیرہ) مراکز سے مانوس ہوئے۔ حالانکہ مرکز صرف بنگلہ والی مسجد ہے۔ اس جگہ کو درجہ دینا تھا یوں تو ہر شہر میں مرکز ہے۔

اب اس خطا کو منصوبہ کا درجہ دینے والے ۲۰۱۴ء سے مسلسل علاقوں کا، ملکوں کا سفر کر رہے ہیں۔ لوگ بنگلہ والی مسجد سے کٹ کر کام کریں۔ تو یہ فعل توبہ کا دروازہ بند کر رہا ہے۔ ظاہر میں یہ لوگ خطا کے معترف نہیں ہیں۔ بلکہ خطا کو منصوبہ کا درجہ دے کر دوسری غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اجتماعیت اور امارت کے توڑنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ہر فرد محنت کو یہی سمجھنا تھا کہ بنگلہ والی مسجد کے منبر سے جو صاحب دعوت کہے۔ وہی کام اور محنت ہے۔ محنت کے اصول۔ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ تک یہی تھا۔ یہ خطا تھی۔ یہ بھول تھی کہ ہم نے خود کو محنت اور اصول والا سمجھ لیا۔ اس احساس نے مرکز کے بجائے ''مراکز'' کا نظریہ قائم کرادیا۔ اور اجتماعیت اور امارت کے توڑنے کی بنیاد ڈلوادی۔

خیرالخطائین التوابون.

(۱۴) دینی محنت میں شوریٰ (یعنی نبوت سے جمہوریت کی طرف)

ایک Body ہو۔ چند نفوس پر مشتمل ایک جماعت ہو۔ جن کی آراء اور تجاویز فیصلہ کا درجہ رکھے۔ ان میں سے کوئی فیصل ہو۔ فیصل بدل بدل کر ہو۔ وہ فیصلہ Body کے رجحان کے مطابق کرے۔ یہ ہے مطالبہ حضرات ثلاثہ:- فاروق، ثناءاللہ، اسمٰعیل- کا۔

اس کی مثال کہیں ملتی ہو یا نہ ہو۔ قرن اول سے دلیل بھی ہو یا نہ ہو۔ لوگ اس کی مثال قائم کر چکے تھے۔ مشق

طویل عرصہ سے کی جارہی تھی۔ملکوں میں، اضلاع میں Body بنائی جارہی تھی۔کسی نے اس پرغور نہیں کیا۔لوگ اس کومسنون عمل سمجھنے لگے تھے۔Body بنانا مسنون نہیں ہے۔شوریٰ (Body) کی بات کہنے والے مان چکے تھے کہ ہماری بات چل رہی ہے۔حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نہیں رہے۔اب باری خودمرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد کی تھی۔تو یہاں کے بارے میں بھی ہماری ہی چلے گی۔ہم Body بنالیں گے۔ان کی عقل ان کو اجازت نہیں دے رہی ہے کہ تمام ذیلی مراکز میں Body خودنظام الدین نے قائم کی۔مرکز اب خوداس Body پرنہیں آرہا ہے۔یہ علاحدہ ہوگئے۔اس لیے علاحدہ ہوئے۔مخالفت بھی اسی لیے ہے۔

’’شوریٰ‘‘ گرامر میں صفت ہے۔یوں لکھا جائے گا’’ذوشوریٰ‘‘۔مشورے والے نہ کہ جماعت مشورہ Body۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کی Body (شوری) نہیں بنائی تھی۔(مستقل ارکان شوریٰ) بلکہ تمام ساتھیوں سے مشورہ کرتے تھے۔جومحنت والے وہ مشورہ والے۔جومشورہ والے وہ محنت والے۔

اگر’’شوریٰ‘‘ کا مطلب Body ہے تو پھر Founder Member اور Life Member کا سلسلہ ہونا ہوگا۔پھر تو شوریٰ کی آواز لگانے والے نبوت سے جمہوریت کی طرف چلے گئے۔یہ ہی تو ارتداد ہے۔

قرآن مجید میں’’شوریٰ‘‘ صفت کے طور پر بیان ہوا کہ وہ مشورہ والے ہیں نہ کہ آمریت والے، نہ کہ جمہوریت والے۔بلکہ نبوت والے ہیں۔

کون ہے جوثابت کرے کہ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے Body بنائی تھی۔وہ Body کے پابند تھے۔
کون ہے جوثابت کرے کہ مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے Body بنائی تھی اور وہ Body کے پابند تھے۔ہاں مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو یرغمال بنا کے Body بنی تھی۔یہی لوگ ملک کے باہر بنگلہ والی مسجد اور خانوادہ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے انحراف پیدا کررہے تھے۔ناکام ہوئے تو انہدام کے عمل میں لگ رہے ہیں۔

(۱۵) دینی محنت اوراہل علم واہل مدارس

حضرت مولانا ابرارالحق رحمۃ اللہ علیہ ہردوئی کے انتقال کے بعد’’دعوۃ الحق‘‘ نے خوب زورآزمائی کی ہے۔’’ہماری محنت‘‘ اور’’ہمارے طریقہ‘‘’’ہمارے حضرت‘‘ کوضال اورمضل، بدعت اورخرافات کے اونچے الفاظ سے عزت دی۔کیا علم

آپ پر ختم ہوا ہے؟ فہم کا اعتبار آپ ہی سے ہے؟ اے اللہ آپ کے حوالہ۔ آپ ان تمام لوگوں سے خود معاملہ فرمائیں۔

دارالعلوم دیوبند کی طرف سے فقہی جواب نے بھی جوز ور پکڑا ہے۔ متعدد فتاویٰ جاری کیے گئے۔ وہ بھی اچھا ہے۔ علمی تعاقب زندہ ہے۔ علمی دیانتداری ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

بس اتنا یاد رہے کہ علماء وقت کے نبی کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ فقہی رائے پر ایمان لانا نہیں ہوتا ہے۔ تحریر میں عجلت ظاہر ہورہی ہے۔ فتویٰ کی زبان کے بجائے سیاسی زبان جھلک رہی ہے۔ جس دریا کے پانی سے آپ وضو کرتے ہیں اسی پانی سے ہم غسل کرتے ہیں۔ ہم لوگ بھی سانس لے رہے ہیں۔ گزشتہ ۲۰؍ برس میں ''اہل مجاز'' اور ''اہل افتاء'' نے جو بازاریت دکھائی ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ ہم محاذ پر ہیں۔ سڑک کے موڑ کو کام بنایا جائے، وقت اس کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ آپ کو اختیار ہے۔ اپنا فریضہ انجام دیا کریئے۔ ہم لوگ علمی ہیں نہ فقہی بقول آپ۔ ماضی میں ہمارا رجحان بھی یہی تھا کہ علمائے حق اور علمی دینی اداروں کے زیر سایہ رہ کر آگے بڑھا جائے۔

مولانا محمد سعد کاندھلوی کی تعبیر کی غلطی کو علمی غلطی، فکری غلطی، عقیدہ کی غلطی بتا کر ہم خود کو کس طرف لے جارہے ہیں۔ اس کو بھی سوچ لیا ہوتا۔

(۱۶) دینی محنت اور علمائے دین

ہمارے علمائے دین زیادہ تر بنگلہ والی مسجد کے معتقد نہیں ہیں۔ دوسرے نظام کے بھی پابند نہیں سوائے چند نفوس کے۔ کوئی اپنے استاد کا تو کوئی اپنے شیخ کا پابند۔ علمی اور دینی، دعوتی طور پر مصروف اور مشغول۔ درس وتدریس ہے۔ امامت، خطابت ہے۔ تصنیف وتالیف ہے۔ افتاء اور قضاء ہے۔ کوئی ملکی، مسائل کے لیے کوشاں ہے تو کوئی تعلیمی اور سیاسی طور پر سرگرمیاں رکھتا ہے۔

ان تمام علماء میں کچھ تو ایسے ہیں جن کو بنگلہ والی مسجد سے جو دینی محنت کی ترتیب قائم کی گئی اس سے مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ہی کے زمانہ سے انقباض رہا۔ کچھ ایسے جن کو انشراح رہا۔ کچھ ایسے جن کو محنت کے نتائج جب سامنے آنے لگے تو اطمینان ہوا۔

یہ علماء دین وہ ہیں جن کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے نہیں ہے۔ اسی طرح جن کا تعلق جماعت اسلامی کے مکتب فکر

سے نہیں ہے اوراسی طرح جن کا تعلق سلفی مکتب فکر سے نہیں ہے۔

یہ تقسیم اور تفصیل ۱۹۹۵ء سے پہلے کی ہے۔اب نئی تقسیم قائم ہوگئی ہے۔ایک قسم یہ ہوئی کہ جب مولانا ابرارالحق صاحبؒ کا انتقال ہوا تو اس کے بعد دعوۃ الحق سے وابستہ علماء دین نے ہماری محنت کی ترتیب پر حکم لگانا شروع کیا۔ بدعت کا حکم لگایا۔ ایک قسم یہ ہوئی کہ علمی اور فقہی محاذ آرائی شروع ہوئی۔ یہ دونوں قسم کے علماء دین وہ ہیں جن کو پہلے دن سے انقباض تھا۔ یہ انقباض اب مخالفت کی طرف چلا گیا ہے۔مخالفت نے ضال اور مضل کا فیصلہ کرادیا ہے۔

ضرورت ہے ایک تجزیہ کی طرف جانے کی۔اس مخصوص معاشرہ پرنگاہ ڈالنے کی۔

اس مخصوص طبقہ۔علمائے دین۔کی ایک طویل فہرست ہے۔ بڑی تعداد ہے جو مدارس اسلامیہ کے احاطہ میں رہ کرزندگی گزاررہی ہے۔علمی فقہی مشغولی میں رہ رہی ہے۔درس وتدریس کے ماحول میں رہ رہی ہے۔اس کے ذہن کی یہ پرورش ہوئی کہ ہم ادارے چلانے کے لیے ہیں۔ زندگی سے دور رہ کر زندگی سے گھبرا رہے ہیں۔ زندگی چلانے کے بجائے ادارے چلانے کوکل کا درجہ دے کر جی رہے ہیں۔ایک خاص ماحول میں رہتے ہوئے۔خاص نفسیات کے پابند ہو چکے ہیں۔حاسداور شاکی بن کر جی رہے ہیں۔اسی مخصوص طبقہ۔علماء دین۔کی ایک اور طویل فہرست ہے۔ جو مساجد میں رہ رہی ہے۔ یہاں امامت اور خطابت میں مشغول ہے۔یہ طبقہ زندگی میں رہ کر جی رہا ہے مگر زیادہ ترناقد ہو چکا ہے۔ شاکی بن چکا ہے۔معیار زندگی کو پانے کے لیے اچھے برے دونوں راستوں پر چلتے چلتے دور جا چکے ہیں۔یہ لوگ بھی دینی محنت کے کرنے والوں سے نالاں ہیں۔مگر دینی محنت کی ترتیب سے گھبرا کر بے چین ہوکر بڑا حکم نہیں لگارہے ہیں،سوائے ان کے جو مدارس اسلامیہ سے بھی وابستہ ہیں یا ان سے (دعوۃ الحق) قریب ہیں۔عقیدت رکھتے ہیں۔کسی درجہ میں ان سے مربوط ہیں۔ان میں بھی چند ایسے ہیں جو بہت خوبیوں کے ہیں۔

ایک طبقہ وہ بھی ہے جو برسوں سے،طویل عرصہ سے،مذہبی گھرانہ کا درجہ رکھتا ہے۔کسی شہر میں،کسی علاقہ میں،کسی قصبہ میں۔اس گھرانہ کی کوئی تاریخ ہے۔کوئی پس منظر ہے۔اس نے بنگلہ والی مسجد سے اور اس کی دینی محنت کی ترتیب سے اس لیے دوری رکھی کہ وہ خود ایک درجہ رکھتا ہے۔کسی کے پابند کیوں ہوں۔ ہمارا اپنا خود دینی مزاج اور مذاق ہے۔دوسرے کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ خاموش رہ کر اپنے دائرہ میں رہ رہا ہے۔

تمام علمائے دین کا یہ کام ہے کہ وہ رہبر ہوتے ہوئے رہبری کریں۔ دین خالص کے احیاء کے لیے کوشاں

ہوں۔ مصلحت کی رعایت کے بجائے دعوت واصلاح کی ضرورت کواولیت دیں۔

دینی محنت کی ترتیب میں بھی علمائے دین کی یہی ضرورت ہے کہ محنت سے پیدا ہونے والے جذبات کوعلم کے ذریعہ تربیت دیتے نہ کہ علم کے ذریعہ مایوسی۔ جذبات کو معطل کیا جاتا۔ یہی نہیں ہوااس لیے ۲۰۱۴ء کے بعد علمائے دین آواز اور شور وشرابہ کی طرف جاتے دکھ رہے ہیں۔ اختلاف میں دونوں کی سن کر رائے پیش کرنا ہوتا ہے نہ کہ آواز کی طرف جانا ہوتا ہے۔ آواز یہ آئی کہ ''نہج'' بدل گیا۔ جب کہ علمائے دین کو یہ کہنا تھا کہ نہج سیرت رسولؐ ہے۔ سیرت صحابہؓ ہے۔ یہ بدلتا نہیں ہے۔ نصاب اور ترتیب بدلتی ہے، دینی محنت کی ایک ترتیب ہے۔ یہ ایک نصاب ہے۔ یہ بدل سکتا ہے، بدلنا چاہیئے۔ نہ کہ علمائے دین بھی ترتیب اور نصاب کو ''نہج'' کہہ گئے۔ اس طریقہ نے آواز کو سچ کا درج دے دیا۔ حق کا درجہ دے دیا۔ معیار حق کا درجہ دیا۔ اس لیے اس آواز کو روکنا دشوار ہوا۔ اس آواز کو سمجھانا مشکل ہوا۔ ''نہج الیاس'' یہ کیا ہے؟ اگر اس کی دینی حیثیت ہے تو لکھنؤ میں ''نہج عبدالشکور'' کا وہی درجہ ہوگا۔ اب لکھنؤ اور دہلی جمع نہیں ہوسکتا۔ یہ علماء دین کو سمجھانا تھا۔ اب یہ مدنی خاندان ہے تو غلط ہے۔ قاسمی ماحول ہے تو غلط ہے۔ ندوی ماحول ہے تو غلط ہے۔ ایوان افتاء ہے تو بھی۔ احادیث نبویہ کے درس کے مشائخ ہیں تو بھی۔ نہج الیاس کی تائید ہی غلط ہے۔

اسی طرح علمائے دین کو غور کرنا تھا کہ ہم کس کو طاقت پہنچا رہے ہیں کس کو کمزور کر رہے ہیں۔ دینی محنت میں ایک مخالفت ہے کہ فضائل اعمال کے ساتھ ایک کتاب حدیث نبوی کی شامل کر دی گئی ہے، یہ شامل کرنا مشورہ سے ہوا ہے یا مشورہ سے نہیں ہوا ہے۔ بات یہ ہے کہ کتاب حدیث نبوی کی کتاب ہے۔

اس مخالفت میں مولانا ابراہیم دیولا صاحب ہیں تو یہ امر دینی ہوجائے گا۔ اس لیے مخالفت حدیث نبوی کی دینی ہوجائے گی۔ علمائے دین کے یہاں یہ کافی ہوا کہ خود مرکز کے مولانا ابراہیم صاحب مولانا احمد لاٹ صاحب مخالف ہیں اس لیے یہ مخالفت درست ہے۔ یہ فیصلہ علمائے دین کا کس طرح درست ہوگا۔ اس مخالفت کی تائید کس طرح درست ہوگی، جب کہ علمائے دین بنگلہ والی مسجد سے اور اس محنت کی ترتیب سے اس کی تاریخ سے، تفصیلی معلومات سے بالکل ناواقف ہیں، صرف ایک طرف کی سن کر تائید بالکل غلط ہے۔ حدیث کی کتاب کی مخالفت کی تائید ہی غلط ہے۔ اس تائید میں کوئی شامل ہو۔

حدیث کی کتاب (جب کہ خود اس کام اور محنت کے امیر ثانی مولانا محمد یوسف کاندھلوی اس کے مؤلف ہوں) جس کی خبر ان کے بعض معتمد حضرات کو ہے۔ جس کی خبر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کو تھی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو تھی۔

اس کی طباعت اور اشاعت میں ان کا انتقال پھر ان کے صاحبزادے مولانا محمد ہارون کا انتقال اور حضرت مولانا انعام الحسنؒ کا ان چیزوں میں احتیاط کا معاملہ اور مولانا محمد سعد کو محنت سے ادھر ادھر رکھنا بڑی رکاوت بنی۔ طباعت اور اشاعت مولانا محمد یوسف کی زندگی میں ہونا تھی، نہیں تو مولانا محمد ہارون کی زندگی میں ہوجانا تھی۔ اللہ تعالیٰ کو نہیں منظور تھا جو منظور تھا وہ ہوا، اس کی مخالفت اور مخالفت کی تائید وہ بھی علمائے دین کی طرف سے یہ بھی ایک قرب قیامت کی علامت بن گیا۔

علمائے دین کی موجودہ زندگی اور اس میں پائی جانے والی دلچسپیاں اور رجحانات نے اس وقت امت مسلمہ کے جسد خاکی کے ہر جوڑ کو الگ کردیا۔ یہ سچ ہے کہ اس وقت کا فساد جو عالم میں برپا ہے اس کے ذمہ دار مسلمان ہیں۔ مسلمانوں میں علماء اسلام کلی اور اساسی طور پر ذمہ دار ہیں۔ اس کا انکار دشوار ہے اور ان علمائے دین میں وہ علماء دین زیادہ ذمہ دار ہیں جو صحیح العقیدہ اور اعمال صالحہ پر ہیں۔ ان میں بھی وہ علماء دین ذمہ دار ہیں جو فکر ونظر میں صحت اور مثبت فکر ونظر کے حامل ہیں۔

یہ فساد عالم عرب کا ہو۔ عالم اسلام کا ہو۔ عالم انسانیت کا ہو۔ ایمانیات میں ہو۔ اخلاقیات میں ہو۔ عبادات میں ہو۔ معاملات میں اور معاشرت میں ہو۔ مالیات کا فساد ہو۔ نفوس کا ہو۔ ملکی، ملی ہو، علمائے دین کو احتساب کرتے ہوئے اس کی ذمہ داری قبول کرنا ہوگی۔ از سرنو اس کردار کی طرف آنا ہوگا جس کا مطالبہ قرآن وحدیث اور شریعت وسنت نے ہر جانب سے کیا ہے۔ تمام وسعتوں کو اپنے دامن میں داخل کرتے ہوئے موجودہ چیلنج کا سامنا کرنا ہوگا۔ واللہ المستعان وماعلینا الا البلاغ۔ نہیں تو امت مسلمہ اسرائیل دجال ابلیس کے لئے لقمہ تر بن رہی ہے۔ اس کا دین اور جان ومال عزت وآبرو باطل کے رحم وکرم پر ہے۔

(۱۷) دینی محنت-اثرات ونتائج

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو معلوم کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی ''دینی محنت'' کس احتیاط کے ساتھ تھی۔ علمی گہرائی کے ساتھ تھی۔ روحانیت پر تھی۔ اعتماد پر تھی۔ مولانا محمد الیاس کا وقفہ مختصر مگر............لا فانی وقفہ۔

۱۹۴۴ء میں مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نیابۃً محنت میں جلوہ افروز ہوئے۔ یہ تو ایسا تھا کہ کسی ڈرامہ کے لیے پردہ اٹھادیا گیا ہے۔ ایک علم وعمل، فکر ونظر، ذکر وفکر کا آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ عالم مسخر ہوا، لوگ محو تھے۔ سربسجود تھے۔

یہ وقت اور وقفہ عجیب تھا۔ مولانا کے بعد یوں لگا کہ سب تھم گیا۔ نہیں گم ہوگیا۔ اس دن تک ممبر ومحراب سے

جو کہا گیا وہ ارشاد تھا۔ اصول تھے۔ محنت تھی۔ آداب تھے۔ لازوال کردار کا مالک لازوال افراد چھوڑ کر چلا گیا۔

۱۹۶۵ء میں مولانا محمد انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ ''دینی محنت'' کے امین ہوئے۔ خاموشی سمندر جیسی۔ کبرسنی میں ذمہ داری۔ ۳۰ برس محنت پھیلاؤ میں پھیل گئی۔ دینی محنت انسانوں میں تھی۔ انسانوں سے تھی۔ انسانوں پر تھی۔ اس لیے محنت نے اثر ڈالا اور محنت بھی اثرات میں آئی۔

پہلے دن سے امت کے بعض لوگ اس محنت کو مٹانے اور غلط ٹھہرانے میں لگ گئے۔ اس وجہ سے لوگ محنت میں وابستہ ہوئے مگر کچھ۔ یہ باہری اثر تھا۔ خود کرنے والے سنجیدہ نہیں تھے۔ تہذیب وتمدن کے خلاف محنت کرنے کی وجہ سے بھی لوگ محنت میں وابستہ ہوئے مگر کچھ۔ یہ اندرونی اثر تھا۔ علمائے امت بھرپور اعتماد کے بجائے اندیشوں کی بات کرتے رہے۔ دینی محنت کی شکل وصورت پر شبہ ظاہر کرتے رہے۔ ضروری ہے؟ لازمی ہے یا نہیں؟ اس بحث کو زندہ رکھے رہے۔ اس وجہ سے لوگ محنت میں وابستہ ہوئے مگر کچھ۔ یہ علم کا اثر تھا۔

اہل علم کی اس بحث میں یہ بات زیادہ ملتی ہے کہ ''خروج''۔ ۴ ماہ/۴۰ دن۔ کتنا اہم ہے؟ غیر ضروری ہے؟ اسی طرح نقصان زیادہ نفع کم ہے۔ اس کے علاوہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کا استعمال موضوع بنا رہا۔ پھر بھی یہ کہتے رہے کہ ہم مؤید ہیں۔ موضوع یہ بنتا ہے کہ ایک طرف سیرت پاک۔ عہد رسالت۔ عہد نبوی۔ اس زمانہ کے اعمال ہیں۔ احکام ہیں۔ خواہ مسجد نبوی کے اندر کے اعمال۔ خواہ جہاد وقتال کی مثال۔ تو دوسری طرف اس ''دینی محنت'' کے افعال اور اعمال، نکلنے کی ترتیب جس پر مسلمانان عالم کو آمادہ کیا جانا۔ علمائے اسلام کی طرف سے اس پر علمی مواخذہ۔ علمی تعاقب۔ طویل وقفہ کے بعد اب یہ کہہ دیا کہ ''غلطی'' ہے۔ ''گنجائش'' نہیں ہے۔

ہم اس پر صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ''دینی محنت'' جمہوریت کے نفاذ کے بعد عالمی منظرنامہ پر دیکھی جا رہی ہے۔ جمہوریت کا نظام سوچنے نہیں دے رہا ہے۔ ۱۶ ویں صدی سے پہلے کے ''دینی کام'' کو صحیح ٹھہرانے کی بنیاد کیا ہے؟ اس کو لازمی لکھنے کی دلیل کیا ہے؟ اسی طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کاش علمائے اسلام قلم اٹھانے سے پہلے، فیصلہ سنانے سے پہلے ہمارے مرکز کو دیکھنا ضروری محسوس کرتے۔ مولانا الیاس، مولانا یوسف کو براہ راست دیکھتے اور سنتے۔ محنت کی جملہ ترتیب کو خود دیکھتے۔ مولانا عبداللہ بلیاوی، مولانا محمد عمر پالنپوری، مولانا ابراہیم گجراتی، مولانا احمد لاٹ گجراتی اور مولانا محمد سعد کو خود دیکھتے اور سنتے۔

اگراس کا انکار ہے۔اور وقت کی گنجائش نہیں ہے تو کسی دار القضاء میں کسی معاملہ کی سنوائی کا بھی انکار ہو۔فیصلہ کے لیے وقت کی گنجائش پیدا کرنی ہوگی۔ پھر فیصلہ سنانے کی حیثیت پیدا ہوگی۔افسوس ہمارے علمائے ہندو پاک نے اس کو وقت کا ضیاع مانا اور فیصلہ دینا ضروری جانا کہ اس محنت میں غلو ہے۔نصوص کا غلط استعمال ہے۔تشریح اور تفسیر اصول کے خلاف ہے۔

جمہوری اصول نے نبوی اصول کی جگہ لے لی۔اب تو ہمارے علماء اسلام کے غلبہ کے لیے ووٹ اور انتخاب کو دینی درجہ دے رہے ہیں۔بتا رہے ہیں۔یہ سب علی الاعلان ہے۔

اندیشہ کو واقعہ بتانا غلط فیصلہ۔غلط فیصلہ کا نتیجہ غلط ہوگا۔نتیجہ سے خود کو بچانا دشوار ہے۔مستقبل کا مؤرخ اس کو بیان کرے گا۔

(۱۸) دینی محنت اور مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ

خلافت اسلامیہ کے ختم پر الٰہی اشاروں کے تحت ہندوستان سے دین خالص کی محنت علم اور ذکر کی راہ سے شروع ہوئی، اسی ملک میں اللہ تعالیٰ کے خاص بندے پیدا ہو رہے تھے۔دین خالص کی حفاظت اور اشاعت کے لیے سینہ سپر ہو رہے تھے۔اسی سلسلہ میں مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔جنھوں نے نسل نو کی تربیت کے لیے جس محنت کی بنیاد رکھی وہ بالکل جدا قسم کی محنت تھی۔مولانا الیاس ہی کی زندگی میں علمائے حق اندیشہ ظاہر کر رہے تھے مگر اس محنت کی کارگزاری اور نتائج نے اندیشوں کا منھ بند کر دیا۔

اس دینی محنت نے تمام ممالک میں افراد پیدا کئے۔محنت کا نظام قائم کیا۔مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درد،غم نے اساس ڈالی تو مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے گہرے علم اور پختہ یقین کے ذریعہ اس محنت کو مستحکم کر دیا۔محیر العقول کارکردگی نے سارے عالم کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

مذہب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی اور انسانی کوششوں کو قبول کرنے،ثمر آور بنانے کے جو اصول بنائے ہیں وہ ناقابل تبدیل ہیں۔کوئی فرد بشر حسد،بغض میں مبتلا ہے تو اس کا قبولیت کی طرف بڑھنا دشوار ہے۔کوشش کا ثمر آور ہونا دشوار ہے۔کوئی فرد بشر غیبت میں،حب جاہ اور خود بینی میں غرق ہے تو بڑے نقصان کی طرف چلا جائے گا۔کوئی

فرد بشر عمل صالح اوراس کی کوشش کو عہدہ مان لے۔ مقام اور مرتبہ کو تلاش کرے تو وہ عظمتوں کے بجائے سفر طے کرے گا۔

مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں عالم کے افق پر ایک عملہ وجود میں آ چکا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد اس عملہ نے محنت میں پہچان بنائی تھی۔ اسی طرح انتقال کے بعد مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ذمہ دار ہوئے تھے۔ وہ خاموش طبیعت تھے۔ کم گو تھے۔ مولانا کی اس صفت سے عملہ کا ذہن اس طرح چلا گیا کہ اب یہ خاندان صرف دعا اور برکت کے لیے تو ہے مگر محنت کی نگرانی اور شکل وصورت کی ذمہ داری ہمارے ذمہ ہے۔

اسی طرح اسی عملہ کی نگاہ اس طرف چلی گئی کہ محنت کو بتانے کے لیے ہم اب کسی ''یوسف'' کے محتاج نہیں بلکہ متعدد صلاحیت والے افراد پیدا ہو چکے ہیں جو ہر سطح پر خطاب اور بیان کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس نے نگاہ اس جگہ سے ہٹادی جس جگہ نگاہ جمائے رکھنا بے حد ضروری تھا۔ اسی لیے ''حضرت'' کے بجائے ''حضرات'' کی اصطلاح قائم کر لی گئی۔ ''مرکز'' کے بجائے ''مراکز'' کی اصطلاح قائم کر لی گئی۔ یہ سب ۱۹۷۵ء کے بعد شروع ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسی عملہ (مخصوص افراد) نے انقباض کو اختلاف پھر مخالفت کا درجہ دیا۔ ورنہ اس محنت کی تاریخ بتاتی ہے کہ بہت سے لوگ علاحدہ ہوئے مگر انھوں نے مخالفت کی تحریک نہیں چلائی تھی سوائے اس عملہ (مخصوص) کے۔ اسی عملہ نے اپنے وجود کو عہدہ کے ساتھ جوڑا اس لیے ''پرانوں'' کی اصطلاح قائم کی۔ محنت کی حفاظت کا نام دینے والے دراصل اپنے عہدہ کی حفاظت میں ہیں۔ اسی عملہ نے حسد کو جائز قرار دیا اور غیبت کا نام اصلاح رکھا۔

یہ عملہ (مخصوص افراد) مولانا یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد وجود میں آیا اور پہچان بنا لے گیا۔ مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اس عملہ کا ذہن یہی بن چکا تھا کہ محنت کی نگرانی اور ذمہ داری اب صرف ہم سے ہے۔ اس عملہ نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ مولانا انعام الحسن کے بعد اس گھرانہ میں مولانا اظہار ہیں جو کبیر السن ہیں۔ مولانا زبیر الحسن ہیں جو مریض ہیں۔ مولانا محمد سعد ہیں جو معدوم ہیں۔ بچے ہیں۔ نہ علم ہے۔ نہ تجربہ ہے۔ اب تو ہم ہی ہم ہیں۔ اس عملہ کو حُبّ جاہ کا مرض بہت پہلے سے لگ چکا تھا۔ حسد اور بغض کا مرض مولانا انعام الحسن کے انتقال کے بعد لاحق ہوا۔ غیبت نے اس مرض کو مرض الموت بنا دیا۔

کیا بنی اسرائیل کی تاریخ نہیں معلوم۔ بنی اسرائیل حسد اور بغض کے پیکر، اغراض کے پجاریوں نے بنی اسمٰعیل سے کس طرح بدلہ لیا۔ ان مخصوص امراض نے مولانا الیاس اور ان کی دینی محنت کو کس طرح توڑ دیا۔ مخالفت کے طوفان

نے سارے عالم میں رسوائی کو پہونچا دیا۔ واقف کار بتاتے ہیں کہ مولانا محمد الیاس کاندھلوی ہی کے زمانہ سے وابستہ ہونے والے علیٰحدہ ہوئے۔ مولانا محمد یوسف کے زمانہ میں بھی لوگ علیٰحدہ ہوئے۔ مولانا انعام الحسن کے زمانہ میں بھی لوگ علیٰحدہ ہوئے۔ علیٰحدگی کی وجہ جو بھی رہی ہو مگر انھوں نے مرکز کی عظمت اور محنت کے اصولوں کو پامال نہیں کیا۔ خاموش رہتے ہوئے علیٰحدہ ہوئے۔ یہ مخصوص افراد ہی ایسے ہوئے کہ انھوں نے شیرازہ کو پارہ پارہ کیا۔ ایسا لگ رہا ہے کہ یہ دینی محنت کو ختم کر کے ہی دم لیں گے۔

اس محنت میں جس بات کو سب سے زیادہ نشانہ بنایا جا رہا ہے جس کی وجہ سے انتشار بڑھانے کا کام زور پکڑتا جا رہا ہے وہ مولانا محمد سعد کاندھلوی صاحب ہیں۔ جن کا مزاج اور طریقہ کار پہلے اختلاف کا سبب بنا پھر ان کا علم، اب تو ان کا علم ہی سب سے بڑا سبب بتایا جا رہا ہے کہ وہ انحراف نہیں بلکہ تحریف کا باعث بتایا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں یہی کہا جائے گا کہ تحریف کے اثبات میں نفس کا دخل ہے۔ ضد کا دخل ہے۔ شکست دینے کا ناپاک جذبہ کا دخل ہے۔ ہمارے تجزیہ کے مطابق ''اردو کی کمزوری'' نے الفاظ کا استعمال اور جملوں کی ترکیب میں غلطیاں کرائی ہیں لوگ ان غلطیوں کے ارتکاب کو دینی غلطی کا ارتکاب ٹھہرا رہے ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے تھا کہ مولانا محمد عمر پالنپوری صاحب کے بیانات پر مولانا سعید پالنپوری صاحب برابر گرفت کرتے رہے وہ دیوبند میں پڑھانے کے دوران خوب تنقید کرتے، زندگی بھر یہی ہوتا رہا۔ اس وقت مولانا سعید صاحب کی حیثیت شاید شرعی نہیں تھی۔ اس لیے دین کی محنت گمراہی کے فیصلہ کی مستحق نہیں ہوئی۔ اب شرعی حیثیت حاصل ہوئی تو گمراہی کا فیصلہ نافذ ہوا۔

یہ ہے وہ بات جس نے مولانا الیاس کاندھلویؒ اور ان کی دینی محنت کو نقصان پہونچایا۔ افراد کی بیماریوں نے افراد کو الٰہی گرفت تک پہونچایا۔ افراد محنت سے محروم ہوئے۔ امراض پر نگاہ نہ ہونے کی وجہ سے افراد نے اپنی ذات کی حفاظت، پہچان کی بقا کی جنگ چھیڑ دی۔ اس جنگ کے لیے Issue مقرر کیے گئے تا کہ کسی کی نگاہ امراض تک نہ پہونچے۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی مبارک محنت کو اپنی رحمت میں لے لے۔ انسانی شرارتوں سے بچا لے۔ شیطانی مکر و فریب کے اثرات سے محفوظ رکھے۔ آمین

(۱۹) مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ

اہل دل کا کہنا ہے کہ سقوط بغداد کے بعد غیبی اشاروں میں سے یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے روحانی

طور پر ہندوستان مرکز ہوگا، علم وذکر کا کام اب یہاں سے ہوگا۔ یہ ملک ایک طرح سے اولا پناہ گاہ پھر تربیت گاہ اور مرجع علم وذکر اور تعلیم وتبلیغ ہوگا۔ ہندوستان میں شمالی حصہ۔ شمالی حصہ میں دوآبہ۔ دوآبہ میں خاص طور پر سہارن پور کا قرب وجوار۔ دہلی اور اس کا قرب وجوار۔

یہ غیبی اشارہ ایک فیصلہ کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ فیصلہ روحانی دنیا کے لیے ہے۔ اس کا اعتراف بھی روحانی دنیا سے ہے۔

اسی طرح اس اشارہ میں چند گھرانوں کے لیے بھی اشارہ ہے۔ حضرت قاسم نانوتوی، حضرت کاندھلوی، حضرت شاہ علم اللہ حسنی وغیرہ وغیرہ۔

جس طرح کسی خطہ کو خاص کیا گیا اسی طرح گھرانوں کو خاص کیا گیا۔ خطہ اور گھرانہ اصل ہے۔ ان کی بے حرمتی ان سے بغض دراصل روحانی طور پر غیبی فیصلہ کی بے حرمتی ہے۔

دین خالص کی محنت اور دعوت کے لیے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک سفر کیا اس سفر میں مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے ملاقات دراصل روحانی دنیا میں ایک جذب اور انجذ اب کی داستان ہے۔ اس داستان کی شہادت ان خطوط سے ملتی ہے جو مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو ارسال کئے۔ اور ان خطوط کی تعداد درجنوں ہے۔ کچھ مطبوعہ ہیں۔ زیادہ محفوظ ہیں جن کو پڑھنے کا موقع ملا۔ اس داستان کی شہادت یہ بھی ہے کہ ملاقات سے واپسی پر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے صبح ہی سے شہر لکھنؤ میں دین خالص کی محنت اور دعوت شروع کردی۔ نظام قائم کردیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد کو اس محنت اور دعوت کا مرکز بنا دیا۔ لکھنؤ اور دہلی ایک جان اور دو قالب کی مثال بن گئے۔

مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا لکھنؤ سفر۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام پھر اس کا سلسلہ یوں رہا کہ مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی کا روحانی تعلق لکھنؤ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے قائم ہوا۔ مولانا محمد یوسف کاندھلوی اور مولانا انعام الحسن کاندھلوی کا تعلق مولانا ابوالحسن علی ندویؒ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے، شہر لکھنؤ سے۔ اس ملک سے دین خالص کی محنت اور دعوت کو عالم اسلام اور خاص طور پر عالم عرب میں تعارف کرانے، دعوت اور محنت کو پہونچانے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کے اسفار جس نے ندوۃ العلماء اور شہر لکھنؤ کو امتیازی شناخت قائم کرادی جو آج تک پائی جاتی ہے۔

یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی ہے جس نے دین خالص کی محنت کو، دعوت کو گود لیا۔ برسہا برس اس کے احاطہ میں

اجتماعات قائم ہوتے رہے۔ یہ مولانا ابوالحسن علی ندوی ہی تھے جو اس محنت اور دعوت کے لئے غیبی اشاروں کی حفاظت کے لیے، بنگلہ والی مسجد مرکز کی مرکزیت کے لیے سینہ سپر ہوئے۔ اب ان کے گھرانہ کے اصل جانشین مولانا محمد رابع حسنی ندوی ہی ہیں جو غیبی اشاروں کی حفاظت کے لیے مولانا محمد الیاس کاندھلوی اور ان کے صلبی سلسلہ کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہوئے۔

جو روحانی اشاروں کی رعایت نہیں کرتا وہ اصل کو کمزور کرنے کی کوشش میں لگتا ہے جس طرح حضرت قاسم نانوتوی کو کمزور کیا گیا۔ جس طرح حضرت تھانوی کو کمزور کر دیا گیا۔ حضرت مدنی کو بھلا دیا گیا۔ اسی طرح حضرت الیاس کاندھلوی کو مٹانے کی کوشش ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت شاہ علم اللہ حسنی کے گھرانہ کو کمزور کرنے کے لیے کوشش ہے جس کا نام یہ رکھا جاتا ہے کہ ''خاندانی نظام'' اسلامی نظام کے خلاف ہے۔ لہٰذا خاندانی نظام غلط ہے۔ یہ میراث نہیں ہے۔ بالکل صحیح ہے یہ جس جگہ کہنا چاہئے وہاں پر یہ جملہ صحیح ہوگا۔ تجدید دین کے لیے جو سلسلہ ہے وہ ایک ہی خاندان ہے اور اس کے افراد ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کے لیے جن جن لوگوں کو چنا گیا جن سے کام لیا گیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے اب تک لوگ سامنے آئے ہیں کیا وہ سب حضرت اسمٰعیل کے گھرانہ سے نہیں ہیں۔ ان مردان خدا کا خاندانی سلسلہ معلوم کرتے ہیں تو یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ سب اسماعیلی سلسلہ کے ہیں۔ جس کو ''الائمۃ من قریش'' سے ادا کیا گیا ہے۔ یہ الٰہی فیصلہ ہے۔ یہ فیصلہ قیامت تک کے لیے ہے۔ یہاں نسخ کا فارمولہ نہیں چلایا جائے گا۔ ہم کو تاریخ دعوت وعزیمت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ کیا الٰہی فیصلہ پر بشری خیال کو ترجیح دی جائے گی۔

مولانا محمد الیاس کاندھلوی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کا تعلق ایک روحانی نظام کا حصہ ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بنگلہ والی مسجد کا ربط روحانی نظام کا حصہ ہے۔ اس کا اعتراف ایمانی حلاوت ہے۔ اس تعلق سے انقباض دراصل قلبی قساوت ہے۔ غور کریں کہ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی محنت اور دعوت کو قلم بند کرنے کی سعادت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور ان کے بھانجہ مولانا محمد ثانیؒ کو کیوں حاصل ہوئی۔ یہ کوئی علمی منصوبہ تھا۔ جس پر کوئی ادارہ کام کر رہا تھا یا غیبی اشارہ تھا۔ روحانی تعلق تھا جو کام کر رہا تھا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ''منتخب احادیث'' کا مشورہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا تھا۔ اس کی طباعت کی طرف توجہ بھی ان ہی کا حصہ تھا۔ عجیب بات ہے کہ بھوپال کے اجتماع ۲۰۱۶ء کے بیان پر جو طوفان

اٹھا اس موقعہ پر مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا بلال حسنی ندوی نے مغرب کی طویل گفتگو اور دعا سے پہلے کی طویل گفتگو سنی اور فون کر کے مولانا محمد سعد کاندھلوی سے کہا گیا آپ مطمئن رہیں۔ کام کریں۔

یہ کوئی قرابت داری کے لیے نہیں تھا، اس کو ہم روحانی تعلق ہی کہتے ہیں۔ اب علماء اسلام کے یہاں روحانی سلسلہ معدوم ہوا۔ ظاہری نظام، مادی نظام مقبول ہوا۔ یہی مرض ہے جس نے باطل کے بجائے خود کے گریبان چاک کرنے کے کام کو کام بتا دیا۔

(۲۰) دینی محنت میں محمد سعد کاندھلوی - حالات واقعات

ایک علمی، دینی، دعوتی خانوادہ کے چشم و چراغ، محمد سعد والد ماجد کا نام محمد ہارون، دادا کا نام محمد یوسف، پردادا کا نام محمد الیاس۔ تعلیم و تربیت کا آغاز بدست مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ آپ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں ''بسم اللہ'' کرائی۔ حفظ قرآن مجید کی دولت کے ساتھ ساتھ قرآن مجید اور حدیث نبوی کی تعلیم خاندانی طور وطریقہ کے تحت ہوئی۔ کاندھلہ کے اس گھرانہ میں اہل دل واہل ذکر موجود رہے۔ خود یہ گھرانہ اہل دل، اہل ذکر سے مربوط رہا۔ اسی تعلیمی، دعوتی ماحول میں، اسی روحانی ماحول میں مولانا محمد سعد کاندھلوی پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔

مولانا محمد سعد کاندھلوی کی پیدائش کے بعد کے حالات یہ تھے کہ وہ یتیم ہو کر اِدھر اُدھر پڑے تھے۔ دادا بھی نہیں تھے۔ والد بھی نہیں تھے۔ خاندانی افراد اب یہی سوچ رہے تھے کہ یہ سلسلہ موقوف ہوا۔ خاندانی کتابوں کے مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ خاندانی باتوں کو درج کرنے والے سب کچھ اندراج کر رہے ہیں مگر مولانا محمد سعد کا اندراج نہیں مل رہا ہے۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ الٰہی فیصلہ میں مولانا محمد سعد درج تھے اس لیے ہوا۔ ایک دم سے مولانا محمد سعد کاندھلوی سے محنت کا عمومی طبقہ مانوس ہو گیا۔ وابستہ ہو گیا۔ سارے عالم کو سہارا مل گیا۔ دعوت کی بات ہو۔ دعوت کی فکر ہو۔ دعوت کو لے کر چلنا ہو۔ سب کچھ اس ذات سے صادر ہونے لگا۔ وہ طبقہ حیرانی میں پڑ گیا۔ پہلے مولانا محمد سعد کو بد دماغ کہنے لگا۔ پھر الزام لگانے لگا۔

سہارن پور کی سرزمین جس مہک کو رکھتی ہے۔ اس نے علم نبوت کے ادارے عطا کیے۔ وہیں علم نبوت کے افراد پیدا

کیے۔قرآن وحدیث کے بلند پایہ خادم ہوتے رہے۔اسی سہارن پور کی مٹی نے ''دعوت کی محنت'' کو شروع کیا۔یہ محنت تکوینی نظام کا حصہ ہے۔محمد سعد کاندھلوی ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوئے۔بچپن سے محسود۔۱۹۹۵ء تک دعوت کے پردہ پر غیر موجود۔مولانا انعام الحسنؒ (وفات ۱۹۹۵ء) کے بعد امرالٰہی کے تحت اور نظام تکوینی کے تحت دعوت کے نظام میں پہچانے گئے۔دعوت کے نظام اور مشورہ سے محمد سعد کاندھلوی سہ رکنی جماعت کے فرد قرار پائے۔جو دینی محنت کی نگرانی وسرپرستی اور ذمہ داری کے لیے تھی۔موصوف کی ذات اور طریقہ کار روز اول سے مخصوص طبقہ کے مابین پسندیدہ نہیں رہا۔یہ مخصوص طبقہ مولانا انعام الحسنؒ کے زمانہ سے دعوت کی محنت میں معروف اور مشہور چہرہ رہا ہے۔چند نفوس پر مشتمل ہے یہ چہرہ۔موصوف قوت گویائی کے ساتھ ساتھ نظم کی طاقت کے حامل۔قوت برداشت کے ساتھ ساتھ مدمقابل کو شکست دینے پر قادر۔

محمد سعد کاندھلوی کی تربیت کہاں ہوئی۔کس نے کی۔اس وجہ سے وہ معتبر نہیں ہوئے تو مستقبل میں مرد خدا حضرت مہدی مسیح کی تربیت کہاں اور کس نے؟ یہ سوال قائم ہوگا۔روایت کے مطابق ان کی تربیت،روحانیت ایک رات میں ہوگی۔صلاح کے انتہائی مقام پر پہنچیں گے۔کیا علماء ان کا انکار کرسکتے ہیں۔مولانا محمد سعد صاحب بشر ہیں۔نبی کی طرح معصوم نہیں ہیں۔صحابی کی طرح محفوظ نہیں ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی بشریت کو معصیت کا درجہ دیا جائے مولانا کی بے اعتباری کے لیے یہ ہنگامہ خود معصیت ہے۔

ختم نبوت نے نبوت کی عظمت کو،نبوت کی صفت کو ختم نہیں کیا ہے۔نبوت کے خواص،نبوت کے اثرات، کارنبوت میں پیوست ہوتے ہیں۔نبی کی تربیت کے لیے الٰہی نظام چلتا ہے۔نبی کی تربیت کے لیے نبی نہیں آتا ہے۔ بلکہ ایک ایسا بندوبست ہوتا ہے جو مطلوب اوصاف کو پیدا کرتا ہے۔نبی اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔

جو صاحب دعوت ہوگا۔صاحب ارشاد ہوگا۔صاحب علم وعمل ہوگا۔صاحبِ عزیمت ہوگا۔صفت احسان سے متصف ہوگا اس کی تربیت کے لیے الٰہی نظام کاربند ہوتا ہے۔

ذات کی تربیت خود کے ارادے سے ہوتی ہے۔کسی ولی،کسی معلم،کسی مرشد کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ کسی کی تربیت کردے۔صاحب ارادہ کی تربیت کا بندوبست ارادہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔مولانا محمد سعد کاندھلوی جس کارکردگی کے حامل ہیں۔وہ کارنبوت کی کارکردگی ہے۔کارنبوت تعلیم وتزکیہ کے ساتھ قلب کو غیر اللہ سے صاف کرنے،عمدہ اخلاق سے تعبیر ہے۔ایسے فرد کی تربیت ختم نبوت کے جوہر سے ہوتی ہے۔مولانا محمد سعد کاندھلوی کی تربیت ختم نبوت کے جوہر سے

ہے۔ مولانا محمد سعد کاندھلوی نظام دعوت واصلاح وتبلیغ کے ساتھ انہاک وشغف اوراس کے بانی سے نسبت فرزندگی ابًاعن جدٍ کے ذریعہ ''نسبت الیاسی''۔سلسلہ اجازت وخلافت کے ذریعہ ''نسبت رائے پوری کے حامل''۔احیاءسنت کے جذبہ وکوشش سے ''نسبت محمدی'' سے انتساب رکھتے ہیں۔

مولانا محمد سعد کاندھلوی گزشتہ ۲۰/برس سے کس ماحول میں زندگی گزارر ہے ہیں۔کون سے معمولات کے پابند ہیں۔جس نے ان کی تربیت کا سوال قائم کیا ہے۔محسوس تو یہ ہورہا ہے کہ مولانا محمد سعد کاندھلوی کی بے اعتباری ثابت کرنے کی کوشش ہے تاکہ ان کو بنگلہ والی مسجد سے برطرف کیا جاسکے۔یہ ایک ناکام کوشش ہے۔

مولانا زبیرالحسنؒ کے انتقال ۲۰۱۴ء کے بعد سے محمد سعد کاندھلوی جس صورت حال میں سانس لے رہے ہیں۔ اس میں یہی ہوتا ہے کہ فرد شکست تسلیم کرتا ہے یا پھر فرار اختیار کرتا ہے۔نہ یہاں شکست کا احساس اور نہ فرار کی کوشش۔

جو باتیں باہر سے اثر ڈالتی ہیں ان کا درجہ جدا ہوتا ہے۔ جو بات اندر سے پیدا ہوتی ہے اس کا درجہ الگ ہوتا ہے۔ جو بات خود کی ذات سے متعلق ہوتی ہے اس کا درجہ الگ ہوتا ہے۔مگر مولانا سعد ہیں۔کس طرح کے ہیں۔کس اثر کے ساتھ ہیں۔اپریل ۱۹۹۵ء-نومبر ۲۰۱۶ء کا وقفہ ہے۔۲۱ برس ہورہے ہیں۔اس کے درمیان محمد سعد کاندھلوی کی زندگی کا بڑا حصہ وہ ہے جو ان کے بیانات/تقاریر پر مشتمل ہے۔ان بیانات سے جو رخ پیدا کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

☆علمی ضعف۔

☆ دینی ہدایات میں شدت۔

☆ محنت کے طریقوں میں تبدیلیاں۔

☆ دینی مباحث میں عامیانہ جملوں کا استعمال۔

☆ مختلف مواقع پر افراد کی تنقیص۔

☆ عملہ کی تنقیص۔

☆ گفتگو میں کمزوری۔

اس کی نشاندہی اتنی ہوئی کہ چہار طرف سے گمراہ/گمراہی کا حملہ ہو چلا ہے۔

بات یہ ہے کہ دنیائے انسانیت میں اتنا بڑا انظام عالمی سطح پر جو قائم ہوا ہے وہ اب ان باتوں کا اثر لے رہا ہے۔شیرازہ

بکھرتا جارہا ہے۔ ہلچل نے انتشار کی راہ اختیار کرلی ہے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے۔ ممکن ہے لوگ مولانا محمد سعد کاندھلوی کا نام لیں۔ یہ ظلم ہوگا۔ غلط تجزیہ ہوگا۔ عمل کی راہ بند ہوتی جارہی ہے۔ گفتگو، بحث وتکرار طول پکڑ رہا ہے۔ موصوف کی ذات سے قریب ہوکر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ باہر والوں کی وجہ سے ہورہا ہے۔ باہر والوں سے قریب ہوکر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ محمد سعد کاندھلوی کی وجہ سے ہورہا ہے۔ بہت ہی پیچیدہ صورت حال قائم ہوئی ہے۔

بھوپال اجتماع ۲۰۱۶ء میں بیان کے درمیان بنگلہ والی مسجد اور اس کی اہمیت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے جو الفاظ ادا ہوئے۔ وہ صرف ''ادائیگی'' کا ضعف ہے۔ تعبیر کی غلطی ہے۔ موصوف علم کلام اور منطق وفلسفہ سے دور رہ کر گفتگو کررہے ہیں۔ علماء کرام اور مفتیان عظام اسی دائرہ میں رکھ کر گرفت فرمارہے ہیں۔ اردو اور منطق میں فرق ہے۔ اس بات کو اس طرح ادا کرتے۔

''کتاب وسنت کی روشنی میں منصوص اور مخصوص مقامات مقدسہ کے بعد اس محنت سے وابستہ افراد کے لیے قابل برکت، قابل تربیت جگہ بنگلہ والی مسجد ہے۔ محنت اور محنت کے مراکز کے تمام مسائل کے سلسلہ میں نظام الدین آکر پوچھیں''۔

مولانا محمد سعد کاندھلوی وابستہ لوگوں سے گفتگو کررہے ہیں۔ فقہ وشریعت کے مسائل کے لیے عام مسلمانوں کو نظام الدین آنے کی دعوت نہیں دے رہے ہیں۔ کوئی جملہ اس مفہوم کو پیدا کررہا ہے جس مفہوم کی گرفت علماء کرام نے کی ہے۔ مفتیان عظام نے کی ہے۔ تو اس سے توبہ کرتے ہیں۔ اعتراف کرتے ہیں۔

۲۰۱۴ء سے محمد سعد صاحب بہت زیادہ دباؤ اور تناؤ میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعبیر کی غلطی سے وہ گرفت ہوری ہے جو علم اور عقیدہ کی غلطی پر گرفت کی جاتی ہے۔ گزشتہ غلطیاں اسی تناؤ اور دباؤ میں صادر ہوتی رہی ہیں۔

مولانا سعد کاندھلوی صاحب کی غلطیاں ''چند جملوں'' سے ثابت ہورہی ہیں مگر جملہ گفتگو اس پر ثبوت فراہم نہیں کرتی ہے۔ فیصلہ کے ساتھ یہ احتیاط بہتر ہوگی۔

الجھاؤ زیادہ ہے۔ ایک سے زیادہ آوازیں ہیں۔ نظام الدین میں اگر مرکزیت کسی چیز کا شکار ہے تو علمی فکری ادارے بھی کسی چیز کا شکار ہیں۔ کل مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور مولانا انعام الحسنؒ تھے۔ مرکز میں مرکزیت تھی۔ دوسری طرف بھی علم وفکر کے پہاڑ تھے۔ بڑا ادب تھا۔ احترام تھا۔ نفس/ ہوس نے سینہ میں چھپ چھپ کر تدبیر کا جامہ نہیں پہنا تھا۔

دین اسلام کے خاطر اور دینی زندگی سے دور اور محروم مسلمان طبقہ پر نگاہ ڈالی جائے۔ فیصلہ کیا جائے۔ کشتی بھنور

میں ہے۔ کہیں ڈوب نہ جائے۔ ہم سب اہل مدارس ہیں۔ مدرسہ ٹوٹ نہ جائے۔

نسب نامہ مولانا محمد سعد سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک

محمد سعد بن محمد ہارون بن محمد یوسف بن محمد الیاس بن محمد اسمٰعیل بن غلام حسین بن کریم بخش بن غلام محی الدین بن محمد ساجد بن محمد فیض بن محمد شریف بن محمد اشرف بن جمال محمد بن نور محمد عرف یامین شاہ بن بہاءالدین بن شیخ محمد بن کرم الدین مذکر بن تاج الدین مذکر بن امام حاج بن ضیاءالدین محمد بن عمر بن عوض بن ابوجعفر محمد بن عبداللہ عمویہ بن سعد بن حسین بن قاسم بن محمد بن عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ (مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص:۱۰۵)

ہم اپنے گھر میں بھی بے خوف رہ نہیں سکتے
ہم کو نیت دیوار و در نہیں معلوم

ہمارا صبر تجھے خاک میں ملا دے گا
ہمارے صبر کا تجھ کو اثر نہیں معلوم

(۲۱) دینی محنت میں تعبیر کی غلطی یا علمی، فکری غلطی کا ارتکاب

دو برس سے دعوت دین کے مخصوص نظام کے مرکز بنگلہ والی مسجد نظام الدین دہلی سے متعلق انتشار اور خلفشار پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس خلفشار میں دارالعلوم دیوبند کا ایوان افتاء شامل ہو گیا ہے۔ دیگر اساتذہ و علماء شامل ہو رہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے دینی فیصلہ کیا ہے۔ مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلہ کے لازمی نتائج سے دیوبند محفوظ نہیں رہ سکتا اور مسلمانوں پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔

مرکز نظام الدین کے قضیہ کے چند پہلو ہیں۔ ان میں سے ایک پہلو مولانا محمد سعد کاندھلوی ہیں۔ امارت، مزاج اور طریقہ کار اسی طرح علمی اور روحانی حیثیت۔ اس وقت مولانا کی ذات سے متعلق جو حصہ زیادہ موضوع بحث ہے وہ مولانا کے بیانات ہیں۔

اہل علم اور اہل مدارس امت مسلمہ کا قوام ہیں۔ احترام ادب اور عظمت بہت لازمی ہے۔ ایک مسلمان اس کا

پابند ہے۔اسی راہ سے رہبری ہے۔دینی زندگی کی حفاظت ہے۔دینی زندگی کی تربیت ہے۔

دو برس سے جو خلفشار رہے وہ معاملہ کی رنگت کو جدا بتا رہا ہے۔اس لیے شکوک وشبہات کا پیدا ہونا لازمی ہے۔
مولانا محمد سعد صاحب گزشتہ ۲۰ برس سے بیان اور تقریر کے عمل سے گزر رہے ہیں۔اب فیصلہ ہوا۔بناء کیا ہے۔دارالعلوم دیوبند سے فیصلہ کس نے طلب کیا۔سوال نہیں شائع ہوا۔مستفتی کا نام شائع نہیں ہوا۔

۲۰ برس کے تمام بیانات میں جو ضعف ملا ہے وہ یہ ہے کہ مولانا سعد فنی طور پر مقرر نہیں ہیں۔تعبیر کمزور ہے۔اردو کمزور ہے۔محاورہ کی زبان سے دور۔منطق اور فلسفہ سے گفتگو عاری ہوتی ہے۔اس وجہ سے کسی حاسد کو کہنے کا جو موقع ہاتھ لگا ہو۔

تمام بیانات سے ''علمی گمراہی'' کا ثبوت دشوار ہے۔''خارج اسلام'' کا فیصلہ غلط ہے۔فقہ اور شرعی علوم کے اصول سے متصادم ہے۔

(۲۲) دینی محنت میں اعتراف وتسلیم

سن ۲۰۱۴ء سے جو واقعات کا تسلسل ہے اس نے یہی راہ پیدا کی ہے کہ ہم خاموش رہیں۔صبر کریں۔تحمل سے کام لیں۔اعتراف کریں۔رجوع کریں۔سر تسلیم خم کریں۔

آپ علیٰحدہ ہوئے۔ممکن ہے کہ یہ آپ کا اقدام بہتر ہو۔مگر یہ صحیح نہیں ہے کہ اس جگہ (مسجد بنگلہ والی) سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہیں۔

یہ رشتہ نہ خونی ہے کہ آپ کا شرعی حق ہو۔یہ وابستگی نہ تجارتی ہے کہ آپ کا مالی حق ہو۔اب آپ غلو کے بغیر کام کی مثال پیش کریں۔علمی خطا سے محفوظ خطاب کے جوہر عام کریں۔

ہم تو مدارس اسلامیہ، ایوان افتاء کے مجرم ٹھہرے۔

۲۰۱۸ء گزر رہا ہے۔وقت آگے گیا۔سایہ بدل گیا۔نئے لوگوں نے مولانا محمد سعد کو ذمہ دار تسلیم کیا۔بنگلہ والی مسجد کو مرکز ٹھہرایا۔آپ کو علیٰحدہ ہوئے چار سال ہو گئے۔اب کوئی خط۔دستخط۔حوالہ کا درجہ نہیں رکھتا۔آپ وابستہ رہتے تو اس کا کوئی درجہ ہوتا۔

صورت حال بدل گئی۔مولانا محمد سعد آپ کے نزدیک کیا ہیں یہ بات علیٰحدہ درجہ رکھتی ہے۔جنھوں نے ذمہ دار

بنالیا خواہ ۲۰۰/۲۵۰ کیوں نہ ہوں اب وہ ان کے امیر ہیں۔

دیوبند یہ کہہ رہا ہے۔ مفسرین یہ کہہ رہے ہیں۔ محدثین نے یہ فرمایا۔ ایوان افتاء کے ارکان اس پر متفق ہیں۔ مدارس میں اسباق کے دوران مولانا محمد سعد کاندھلوی موردطعن ہیں۔ اب ان کے اسباق کی تکمیل اسی پر ہے۔

اگر آپ تکیہ رائے بریلی کی دیوار میں سینڈھ لگالیں تو یہ آپ کی کامیابی ہوگی۔ ہم خاندان نبوت کی وجہ سے احترام کرتے رہیں گے۔

دارالعلوم۔ سہارن پور۔ لکھنؤ۔ مرادآباد۔ حیدرآباد۔ کرناٹک۔ ساؤتھ افریقہ سارے کے سارے دین کے ادارے۔ مگر علم کے کنارے نہیں ہیں۔ علم کسی کا نہیں۔ وہ اللہ کا ہے۔ کسی کا علم حرف آخر نہیں ہوتا۔

یہ ایک نئی جیوت ہے۔ آپ کے نزدیک گندھک سہی۔ دعویداری ختم کریں۔ ماشاء اللہ آپ کے پاس مقدس لوگ ہیں۔ علم کے مینار ہیں۔ اسباب وسائل کی کثرت ہے۔ کام کریں۔ محنت کریں۔ شمع ہدایت کو روشن رکھیں۔ بلاوجہ سایہ پر لکڑی مارے جارہے ہیں۔ دنیا انتظار میں ہے مولانا ابراہیم صاحب کے میٹھے میٹھے بیان کی۔ مولانا احمد لاٹ کی توحید کی گرج کو زمانہ گزرگیا۔ کسی کی بلاغت وفصاحت تو کسی کی دولت وثروت۔

ہمارے یہاں جھوٹے اور شہرت کے بھوکے جمع ہیں۔ علم ان کے پاس نہ حلم۔ چٹورے، ندیدے جمع ہیں۔

مقدس جماعت کے چلے جانے سے بنگلہ والی مسجد کی علمی اور روحانی حیثیت داغدار ہوئی۔ عالم کا عالم بے گانہ ہوا۔

اعتراف صاحب! سچ، آپ کے ارشاد کی یہی حیثیت ہے۔ اہل علم سے، تعلیم یافتہ حضرات سے اسی کی امید تھی۔

مسئلہ کی نوعیت بدل چکی ہے۔ مولانا محمد سعد آپ کے امیر نہیں ہوسکتے بہتر۔ ہمارے امیر ہیں۔ ذمہ دار ہیں۔

مرکز ایک نہیں ہونا چاہیے۔ شاباش، ہمارا مرکز ایک۔ زمانہ آپ کی طرف۔ خوب۔ ہم نبوت کی طرف۔

ہم تھوڑے ہیں۔ علم سے کورے ہیں۔

اس احساس کے ساتھ اللہ کے دین کی جدوجہد کے پاس۔

(۲۳) دین کی محنت میں کارگزاری

۲۰۱۴ء سے جو شروع ہوا وہ ۲۰۲۱ء میں داخل ہوا۔ تسلسل کا روپ لئے ہوئے۔ جو Chargsheet تیار کی گئی تھی وہ تکمیل کو پالے گی۔

کہا گیا کہ ہم روز آنہ کے ساتھی تھے۔ جب پانی سر سے اوپر ہو گیا تو یہ قدم اٹھایا۔ مشورہ کا کمرہ، مشورہ کا عمل کی روداد صرف چند افراد سنانے کا حق رکھتے ہیں، یا جو شریک ہے۔ حاضر ہے۔ وہ بھی سنانے کا حق رکھتا ہے۔ جو علیحدہ ہوئے وہی اچھے سچے ہیں یا جو علیحدہ نہ ہوئے وہ بھی اچھے اور سچے ہیں۔ یہی راہ ہے کہ جملہ لوگ روداد سناتے تو وزن قائم ہوتا۔ روداد تو صرف علی گڑھ اور بنگلور سنا رہا ہے۔

کہا گیا کہ یہ شخص دعوت کا نہیں ہے۔ اس کو دعوت کی سمجھ نہیں ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ ۶/ ۷ سال کی مدت میں بنگلور کی کارگزاری کیا ہے اور کسی ایسے شہر کی کارگزاری کیا ہے جو ناسمجھ کی تابعداری میں کام کر رہا ہے۔ بنگلور جب تک علیحدہ نہیں ہوا تھا اس وقت سالانہ چھٹی میں مستورات کی جماعتیں ۴۰۰ کی تعداد تھی جو وقت لگا رہی تھیں۔ علیحدہ ہونے کے بعد <u>۲۰۱۹ء</u> میں صرف ۲۵ عدد جماعتیں ہیں جو وقت لگا رہی ہیں۔ یہی تناسب علی گڑھ کا ہے۔ یہی تناسب گجرات کا ہے۔

یہ تو وہ لوگ ہیں جو دعوت کی سمجھ والے ہیں۔ مرکز نظام الدین کے نظام کو Control کی صلاحیت ان کے پاس تھی۔

کیا ہوا ایک نااہل، ناسمجھ کی کارکردگی فلک بوس ہے۔ اہلیت اور صلاحیت کی مکمل جماعت کی کارکردگی زمین بوس ہے۔

اہلیت اور صلاحیت کی مکمل جماعت کی سرپرستی میں جو ہو رہا ہے وہ لکھنؤ میں دیکھا کہ ایک مولوی صاحب کی جماعت آئی یہ مولوی صاحب بستی نظام الدین میں رہتے ہیں۔ مغرب کا بیان ہے۔ فرما رہے ہیں کہ ہم توبہ کرانے آئے ہیں۔ اتنے لوگ توبہ کر چکے ہیں۔ سلسلہ وار مولانا محمد سعد صاحب کے جرائم گنوا کر بیان مکمل ہو رہا ہے۔ تین ہفتہ کا قیام کے بعد واپس ہوئے تو کارگزاری یہ سنا رہے ہیں کہ لکھنؤ میں جو ظلم و ستم ہوا اس کے ذمہ دار انیس احمد۔ جب کہ یہ کھلا بہتان ہے۔ اور بھی ہیں مثالیں۔

یہ ہو رہا ہے۔ کیا ہوگا۔ بس یہی ہوگا۔ اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔

جس طرح ہمارے معاشرہ میں اہل بدعت اپنی باتوں کو ثابت کرتے ہیں اسی طرح یہ اہلیت اور صلاحیت کی مکمل جماعت کے افراد ثابت کرتے ہیں۔

جس طرح ہمارے معاشرہ میں اہل حدیث احناف کی تغلیط کرتے ہیں، بالکل اسی طرح یہ اہلیت اور صلاحیت کی مکمل جماعت کے افراد امارت کو، مستورات کی محنت کو، مسجد کے ماحول میں لانے کے عمل کی تغلیط کر رہے ہیں، لہجہ،

الفاظ یکساں ہیں۔

کہا گیا یہ کام فردواحد کی نگرانی میں نہ ہو بلکہ ایک جماعت کی نگرانی میں اس لیے امیر کے بجائے شوریٰ کی جماعت ہو۔تو کیوں پاکستان میں صرف نذرصاحب مقرر ہوئے، اگروہ صاحب اکیلے نہیں بلکہ شوریٰ کے ساتھ کام کرتے ہیں تو یہ بات بدرجہ اتم اوراکمل ہمارے یہاں موجود ہے۔

پھر کبھی دعوت کے کام کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ یہ کون سا کام ہے۔

کیا یہ بھی دین کی محنت ہے کہ ایک گجراتی صاحب جواہل ثروت ہیں۔اہل سیاست ہیں۔ مارچ- جون ۲۰۲۰ء میں میڈیا اہل کاروں کی خدمت اورسہولت کے لئے خدمات دیتے رہے۔نتیجہ کے طور پرقومی چینل بنگلہ والی مسجداورمولانا محمدسعد کاندھلوی کوصفحہ ہستی سے مٹانے کا کام کررہے تھے۔ بذعم خود بتارہے تھے کہ دعوت کی محنت ہی Super Spreader of Virus ہے۔

مولانا محمدسعدکاندھلوی ہی A Bad Roll Player in Corona Virus Spreading & Increasing ہے۔حوصلے پورے ہوئے۔ارادے مکمل ہوئے یاوہ ہواجواللہ نے چاہا۔

البتہ جوہماری غلطیاں تھیں اس نتیجہ کے ہم خودذمہ دار ہیں۔اعتراف میں خیر ہے۔جس طرح پورے ملک میں عملہ نے اعمال سے چہرہ پھیرا تھاوہ بہت بری مثال ہے۔جس طرح پورے معاملہ کوسمجھاوہ حیران کن ہے۔اس طویل مدت میں ہماری کارگزاری نادان کی کارگزاری ہے۔اس پرقیاس کریں تومستقبل سنگین ہے۔

(۲۴)دین کی محنت میں تربیت کانصاب

حضرت مولانا محمدالیاس کاندھلویؒ کے وقت میں جب خروج کا اہتمام ہواتوضرورت کسی کتاب کی ہوئی۔نقل وحرکت والے عمل میں تربیت اساسی عنصر ہے۔اس میں نصاب لازمی ہے۔نصاب کسی کتاب سے ہے۔شروع شروع میں مولانا محمدمنظورنعمانی صاحب کی کتاب ''اسلام کیا ہے''اس کے ذریعہ تعلیم وتربیت کام تھا۔مولانا سیدابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''سیرت رسول اکرمؐ'' کے ذریعہ تعلیم وتربیت کا کام تھا۔ یہ ہمارے علاقہ میں تھا۔اس وقت چندبستیاں تھیں جو نقل وحرکت پرتھیں۔

حضرت جی مولاناالیاسؒ کی زندگی میں ''فضائل اعمال''اول مرتب ہوئی جوشیخ الحدیث کی طرف سے تھی۔اب

یہ کتاب شامل نصاب۔حضرت جی مولانا یوسفؒ کے وقت میں ''فضائل صدقات'' مرتب ہوئی۔اب یہ بھی شامل نصاب۔
اس کے بعد مولانا انعام الحسن کے وقت میں ''فضائل درود'' موقوف ہوا۔''پستی کا علاج'' داخل فضائل اعمال ہوا۔

یہ سب تدریجا ہے۔الگ الگ وقت پر ہے۔اس پر اشکال ہے، اعتراض ہے۔اس سے انحراف ہے۔نہ مانا جائے تو انہدام ہے۔انتقام ہے۔

کہا گیا کہ فضائل کی کتابوں سے جو''نور'' ملتا تھا۔وہ منتخب سے نہیں ملتا۔جملہ بہت جلدی میں ادا کر دیا گیا۔کاش علم اور ایمان کی عدالت قائم کی جاتی۔فیصلہ کیا جاتا۔نفاذ کی قوت ہوتی۔یہ ہوگا کہ نصاب میں کتاب بدلے۔کتاب گھٹائی جائے۔کتاب بڑھائی جائے۔یہ نہ ہو تو نصاب ناقص ہے۔نصاب معطل ہے۔فطرت کے خلاف ہے۔ہم تو یہ کرتے ہوئے محنت کرتے ہیں۔

لوگوں نے اس بنیاد پر بطلان کی تحریک قائم کی ہے۔

مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل علم کے لیے''مشکاۃ المصابیح'' کے چند ابواب خاص کئے تھے۔یہ بھی ایک نصاب ہے۔

مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملہ کے لیے''حیاۃ الصحابۃ'' خاص کی تھی۔یہ بھی ایک نصاب ہے۔

روحانی بات یہ ہے کہ ''جگہ'' ''فرد''''کلمہ''نصاب کا حصہ ہے۔یہ مرکز اجتماع ہے۔ارتکاز ہے۔اتحاد ہے۔اس کا دائرہ وسیع کیا جا سکتا ہے۔دائرہ کا ابطال نہیں ہے۔''منتخب'' کا انکار دراصل دائرہ کا ابطال ہے۔توسیع ''جگہ'' کی بھی ہے۔''فرد'' میں بھی ہے۔''کلمہ'' کی بھی ہے۔

یوں کہہ کر بات ختم ہو رہی ہے کہ جو ذمہ دار آئے وہ ایک کتاب لائے! یہ غلط ہے۔اس کو روکنا لازمی ہے۔

بہت خوب آپ ۲۰۱۶ء سے روک ہی رہے ہیں۔روک ہی لیجئے۔روک لی کیا؟

(۲۵) دین کی محنت میں جگہ کا تعین

حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر بھیجے جانے اور اس کے بعد کے سلسلہ کو دیکھا جائے تو یہ مل رہا ہے کہ آبادی والے حصہ میں انسانوں کے درمیان نبی اور رسول کا بھی سلسلہ ہے۔

انسانی سلسلہ میں آبادی کو لے کر یہ ایک مرکز ہے۔ایک محور ہے۔یہ ایک اجتماع ہے۔یہ ایک ارتکاز ہے۔

جملہ انسانوں کی نگرانی اور رہبری کے لیے ارض فلسطین ہے۔ ہر طرف کی آبادی رخ کررہی ہے کہ وہ یہاں سے راہ لے۔ راہ پائے۔ راہ متعین وہ ہے جو یہاں سے ہے۔

اس سلسلہ کو طویل درطویل وقت کے لیے قائم رکھا گیا۔ اس وقفہ میں بڑی تعداد میں نبی اور رسول آئے۔ آتے رہے۔ منشائے الٰہی کے تحت مرکز بدلا۔ محور بدلا، اجتماع وارتکاز بدلا۔ اب ارض مکہ مکرمہ ہے۔ اب نظام ایک ہے۔ اب کتاب ایک ہے۔ اب نبی اور رسول ایک ہے، یہی عالمی ہے۔ عمومی ہے۔ عوامی ہے۔ مگر اس میں بھی صیغہ راز ہے۔ ایک عرصہ کے بعد عربی نسل کے ساتھ ساتھ خراسان ہے۔ خراسانی نسل ہے۔ ایک عرصہ کے بعد عرب کے ساتھ خراسان اور خراسانی کے ساتھ ساتھ ہند ہے۔ اخیر میں عرب، خراسان اور ہندوستان مخلوط ہیں۔ مربوط ہیں۔ سب مغلوب۔ سارے ادیان مغلوب۔ سارے افکار مغلوب۔ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب۔ ظاہر ہیں۔

ہندوستان والے وقفے میں شمالی ہندوستان ہے۔ اس میں بھی گنگا اور جمنا کے درمیان جو زمین کا ٹکڑا ہے وہ متعین ہے۔ یہاں سے مردان خدا وجود میں آرہے ہیں۔ علم ذکر اور دعوت الی اللہ کی بات وجود میں آرہی ہے۔ یہ خطہ مرجع ہے۔ یہ خطہ مقدس ہے۔ یہ خطہ تربیت گاہ ہے۔ یہ خطہ ہدایت کے بارے میں واسطہ ہے۔ یہاں سے ربانی لہریں ہیں۔ تاریخ وہ بھی ۸سو سال کی گواہ ہے۔ ۹ویں صدی ہجری سے خاص طور پر تاریخ بالکل عیاں ہے۔ گواہ ہے۔

اس میں شہر لکھنؤ خاص طور پر اودھ کے اضلاع ایک روحانی اشارہ کا مسکن ہے۔ مولد ہے۔ اسی لیے دعوت کی محنت اشاروں میں اس جگہ سے زیادہ مربوط ہے۔ دوآبہ کے بعد یہ علاقہ بھی کوئی درجہ رکھ رہا ہے۔

یہ کوئی اتفاق نہیں ہے۔ یہ کوئی انتظام کا حصہ نہیں ہے کہ دعوت کی محنت کے لوگ مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مولانا محمد یوسف کاندھلوی روحانی مسرت پاتے تھے۔ روحانی اطمینان پاتے تھے۔ جب یہ لوگ لکھنؤ آتے تھے۔ میوات کے بعد لکھنؤ ہی ہے جہاں پورے ملک اور پورے صوبہ یوپی کو جمع کیا گیا ہے۔ مسلسل اور بار بار جمع کیا گیا ہے۔

میوات اور دوآبہ کے بعد یہی خطہ ہے جو ''گود'' کا درجہ پا رہا ہے۔ دعوت کی محنت کے لیے میوات اور دوآبہ ''کوکھ'' کا درجہ پا رہا ہے تو لکھنؤ ''گود'' کا درجہ پا رہا ہے۔

قدر کی ضرورت ہے۔ اسی کی اہمیت ہے۔ توفیق اللہ تعالیٰ کے خزانہ کے چیز ہے۔ مل جائے تو ضائع کرنا ناقدری ہے۔

(۲۶)صحابہؓ کا پرچم اٹھائے چلا چل - قدم آگے آگے بڑھائے چلا چل

احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے ملتا ہے کہ اخیر زمانہ میں جو ہوگا وہ سامنے نہیں ہوگا۔اور جو سامنے ہوگا وہ ہوگا نہیں۔ اسی طرح بعض فتنہ ایسے ہوں گے جس کا سرا ہی نہیں ملے گا۔ حیرت ہوگی۔ حل نہیں ہوگا۔ بنگلہ والی مسجد میں کیا ہورہا ہے۔جس نے کسی کو علاحدگی پر آمادہ کیا۔قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات علم والی ہے۔ ہماری نگاہ یہ بتا رہی ہے:

مغربی یوپی کا اجتماع تھا۔ بنگلہ والی مسجد سے قافلہ رواں دواں ہورہا ہے۔اچانک مولانا محمد سعد صاحب نے سواریوں کے بارے میں حکم دے دیا۔اتنی زیادہ سواریاں۔سب کی الگ الگ۔ یہ غلط۔حضرت مولانا عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علاحدہ سواری ختم۔مولانا احمد لاٹ کی علاحدہ سواری ختم۔

پاکستان کا اجتماع تھا۔ریل گاڑی دستیاب تھی۔ہوائی جہاز کا سفر منسوخ۔سب ریل گاڑی وہ بھی بغیر ریزرویشن والی پر سوار پاکستان پہنچے۔یہ تنسیخ بھی مولانا محمد سعد کاندھلوی کی جانب سے۔

بنگلہ والی مسجد کے داخلی نظام میں تبدیلیاں۔مصارف اور آمدنی کے نظام میں تبدیلیاں، اس جسارت کو پیش کرنے والے مولانا محمد سعد کاندھلوی صاحب۔

دوسال پر سفر حج۔دعوت کے نظام کا بندوبست۔ عالمی سطح کا جوڑ۔سعودی عرب سے ایک تعداد میں سفر کے ویزے کی فراہمی ہوا کرتی تھی۔سفر حج کا قافلہ صرف دعوت کی یکسوئی والا ہو۔ویزے پر بندش۔اوروں کے مزہ ختم۔ یہ قدم مولانا محمد سعد کاندھلوی نے اٹھایا۔

بنگلہ والی مسجد میں مخصوص افراد نے دینی وجوہات سے تعاون حاصل کرنے کی راہ کھوج لی تھی جو بنگلہ والی مسجد کے اندرونی نظام اور مزاج کے خلاف ہے۔اس عمل پر پابندی عائد کرنے والا محسود زمانہ حضرت مولانا محمد سعد کاندھلوی صاحب زید مجدہم۔

دعوتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مختلف ملکوں سے بنگلہ والی مسجد سے جماعت کی طلبی۔عمومی اور خصوصی۔ اس نظام میں پورے ملک کو،تمام صوبوں کو،تمام پرانوں کو یکساں درجہ کی ذمہ داری پر ڈالنا۔مخصوص طبقہ کا اختیار مٹانا۔اس ترتیب کو قائم کرنے والے مولانا محمد سعد کاندھلوی۔

دعوت کے سفر خود کے خرچ پر ہوں۔ملک کے اجتماعات اور جوڑ میں جانے والے اپنے مصارف اٹھائیں۔اس

رغبت کو پیدا کرنے والے مولانا محمد سعد کاندھلوی۔

بنگلہ والی مسجد میں مذاکرہ۔ دینی گفتگو کرنے والے۔ گرفت کے دائرہ میں ہوئے۔ یہ نہیں یہ کہو۔ اس چابک نے رفتار پر ضرب لگائی تو مولانا محمد سعد کاندھلوی نظر آئے۔

یہ چند مثالیں ہیں۔ دور کی نگاہ نے اس کو دیکھا ہے۔ عرصہ، زمانہ بیس سال کا ہے۔ نہ معلوم کیا ہوا ہوگا صنف نازک کے ساتھ۔ اسی لیے خلع/فسخ نکاح کا مطالبہ وجود میں آ گیا۔

ابوبکرؓ کی یہ صداقت کا جھنڈا
عمرؓ کی نرالی عدالت کا جھنڈا
یہ عثمانؓ کے تاج شہادت کا جھنڈا
یہ پرچم علیؓ کی شجاعت کا جھنڈا

شجاعت سے اس کو اڑائے چلا چل

جی یہ وجوہات ہیں۔ نہیں اقدامات اور اصلاحات ہیں جس نے ''منتخب احادیث'' کے خلاف آواز اٹھانے پر توفیق دی۔ نہج اور منہج کے طرف ہونے کے خطرہ کو بتانے کی جرأت دی۔ امارت کے خلاف بغاوت کو شورائیت کا فہم دینے کا عمل انجام دیا۔ جی ہاں یہ ہورہا تھا۔ پرانے علاحدہ ہوگئے۔ مقیم مسجد علاحدہ ہوگئے۔ ہوگئے۔ ٹھیک ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ بھی علاحدہ ہوگئے۔

مولانا کے ساتھ ساتھ چلا چل
قدم آگے آگے بڑھائے چلا چل

شجاعت سے اس کو اڑائے چلا چل
صحابہ کا پرچم اٹھائے چلا چل

(۲۷) حضرت مولانا محمد سعد کاندھلوی مدظلہ العالیٰ کی ترجمانی میں شاعر اسلام علامہ اقبال کے چند منتخب اشعار

ہزار خوف ہو، لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے، گویا مزار ہے حروف آرزو کا

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

کھلا جب چمن میں کتب خانۂ گل
نہ کام آیا ملا کو علم کتابی

تیری بے علمی نے رکھ لی ہے بے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین وایمان

عجب واعظ کی دینداری ہے یا رب
عداوت ہے اسے سارے جہاں سے

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اورنہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اورنہیں

نہ پوچھ مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سیکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

---

(۲۸)صوبہ گجرات نے مشورہ اورکارگزاری کے لیے مرکز نظام الدین کب اور کیوں آنا بند کیا؟

انسانی زندگی، انسانی طبیعتوں کے ساتھ ہے۔انسانی طبیعت ماحول کی وجہ سے کسی رجحان کی طرف کسی فیصلہ کی طرف جاتی ہے۔ یہاں پرنگرانی کی ضرورت ہے کہ وہ نفسانی رجحان اور فیصلہ کا شکارتونہیں ہورہی ہے۔نگرانی نہ ہوئی تو پتہ نہیں چلے گا اور انسان نفسانی ہو چکا ہوگا۔ممکن ہے وہ خودکودینی، روحانی اعمال کرنے کی وجہ سے دینی اورروحانی سمجھتا رہے۔

۱۹۹۵ء کی بات ہے جب حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلوی کا انتقال ہوالوگ اس بات کے لیے جمع ہوئے کہ ذمہ دارکون ہو؟ اہل میوات نے مولانا محمد سعد کاندھلوی کا نام لیا۔ان کوپیش کیا۔معلومات کے مطابق اہل گجرات نے مولانا زبیرالحسن کاندھلوی کا نام لیا۔ ان کوپیش کیا۔ یہ بات الجھ گئی۔ اب وہ لوگ جمع ہوئے جن کومشورہ کی جماعت کہا جارہا تھا اس میں میاں جی محراب کوفیصل بنایا گیا۔ان کی تعداد دس تھی مگر نو جمع ہوئے۔صورت حال بڑی پیچیدہ ہوتی چلی گئی، ہم نے ندوے میں دیکھا کم از کم ۳رمرتبہ مولانا احمد لاٹ صاحب ۱۲:۳۰ کی ٹرین سے آکر ۳:۳۰ کی ٹرین سے چلے گئے، صرف ۳ گھنٹہ کا قیام وہ مولانا علی میاں صاحب سے ملتے، گفتگو کرتے۔ واپس ہوتے۔اس درمیان مرکز کی باتیں سن رہے تھے۔بمشکل تمام فیصل نے ۳ لوگوں کی جماعت بنادی مگر بے چینی ختم نہ ہوئی۔

اہل گجرات کورائے کا حق ہے۔مگر مخالفت کا حق کس نے دیا۔رائے میں اختلاف ہوتا ہے۔رائے سے اختلاف ملتا ہے۔مخالفت ایسی کہ ۱۹۹۶ء سے مرکز آنا بند کر دیا۔ کارگزاری سنانا بند کر دیا۔مشورہ کرنا بند کر دیا۔اس پر خاموش رہے۔حضرت مولانا ابراہیم دیولا صاحب۔حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب، دیگر علمائے گجرات، دیگر گجرات کے اضلاع کے ذمہ داران۔کیا یہ دین ہے۔کیا یہ دعوت ہے۔کیا یہ سیرت ہے۔کیا یہ صحیح ہے۔کیا یہ مسنون ہے۔اس سب پر مستزاد مولانا زبیر الحسن کاندھلوی کے انتقال کے بعد کے اقدامات۔اس نے تو حدود کو پامال کر دیا۔اب جہاں گجرات ہے وہاں کیا ہے اس کو ہم نے خود آنکھوں سے دیکھا ہے۔یہ مشاہدہ ۲۰۱۶-۲۰۱۸ء کا ہے۔

لوگ سمجھ رہے ہیں یہ آج ہوا۔یہ تو بہت پرانا مرض ثابت ہوا۔مرض کے اثرات ظاہر ہونا بدیہی ہے۔

(۲۹) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے افراد نے ملکی جوڑ میں اور صوبہ یوپی کے جوڑ میں یا مستقل علاحدہ یونیورسٹی کی کارگزاری اور مشورہ مرکز نظام الدین میں کیوں نہیں کیا؟

مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت عالم کو دعوت کی محنت پر جمع ہونے کا وقت ہے۔دعوت کی محنت کے بڑے بڑے دروازے اللہ تعالیٰ نے کھول دیئے۔

اسی وقت میں ہندوستان کے ایک ممتاز تعلیمی ادارہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں دعوت کی محنت نے قدم رکھا۔اس محنت نے اس ادارہ کا رخ ہی بدل دیا۔ بڑی تعداد میں لوگ محنت سے وابستہ ہوئے، ان کے ذریعہ دنیا کے اندر بہت کام ہوا۔طلبہ اور اساتذہ میں ایک دینی بیداری قائم ہوئی۔

اس ادارہ کے جناب عبدالعلیم صاحب کو کھڑا کیا۔ جناب نادر علی، جناب خالد صدیقی، جناب ثناء اللہ، جناب خالد بیگ، وغیرہ اس محنت سے وابستہ ہوئے، یہ سب مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قریب لوگوں میں سے تھے۔

سوال یہ قائم ہوتا ہے کہ اس ادارہ میں محنت کرنے والوں نے کبھی بنگلہ والی مسجد میں کارگزاری کیوں نہیں سنائی۔ اپنی محنت کا مشورہ کیوں نہیں کیا۔صوبہ یوپی میں شامل ہو کر نہ ملک کے مشورہ میں شامل ہو کر۔

خالد بیگ صاحب نے آخر میں خاموشی اختیار کی۔ ۱۹۹۵ء کے بعد منتخب کو رکوانے کے لیے مولانا زبیر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے۔مگر مولانا نے یہ کہہ کر واپس کیا میں حدیث کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ ۲۰۱۶ء میں

تمام لوگ علاحدہ ہوئے۔ کن اسباب کے تحت یہ لوگ دور ہوئے۔ محروم ہوئے۔ غیبت میں مبتلا ہوکر۔ اہل علم کی حقارت کر کے۔ تکبر میں ڈوب کر۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دنیا حیرت میں ہے۔ جن کو حکمت اور بصیرت کی باتیں کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ دوسروں کو راہ دکھاتے ہوئے دیکھا گیا ان کو کس نے اس بات پر آمادہ کیا۔

جواب ان کو دیا جائے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی بات نہ سنی ہو۔ افسوس ہے، حیرت ہے جن لوگوں نے خوب سنی ہے۔ بار بار سنی ہے۔

اس ''جن'' کا واقعہ نہیں سنا جو بارگاہ الٰہی میں اول مقام حاصل کر رہا تھا۔ اب ابلیس ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وہ لوگ جو صف اول کے تھے۔ وہ ان اسباب کو اختیار کر لیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ واپسی کا دروازہ کھولتا ہے۔

"وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدیٰ".

میں (اللہ) واپسی کا دروازہ کھولنے پر قادر ہوں۔

جو

☆ موجودہ روش سے باز آئے۔

☆ دل کا حال بدلے

☆ فعل کو نبوی سانچہ میں ڈھالے۔

☆ بہ تکلف دوبارہ راست کو اختیار کرنے والے ماحول میں داخل ہو۔

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ سے مولانا انعام الحسنؒ تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے احباب نے ''روش'' ''دل'' ''فعل''، ''راست'' میں جن چیزوں کی آمیزش کی تھی۔ وہ چیزیں مولانا محمد سعد کاندھلوی کے سامنے نتیجہ بن کر آ گئیں۔

مشورہ میں، ہدایات میں، روش کا بدلنا، دل سے نہ کرنا، فعل میں خود بینی کا پیدا کرنا، راست کو چھوڑنا ہی ان کو لے ڈوبا۔

جن لوگوں نے دنیا میں جا جا کر اطاعت سنائی ہو۔ محنت کی کارگزاری حاصل کی ہو۔ محنت کا پابند بنایا ہو، ان ہی لوگوں سے یہ خطا پہلے دن سے ہوئی کہ وہ کسی کو بڑا نہ مانیں۔

اس روحانی کام میں، دینی محنت میں نتائج تو خود کے اعمال کے ہوتے ہیں۔معلومات بتارہی ہیں کہ علی گڑھ کے لوگ پہلے دن سے خطا پر تھے اس لیے ان سے خطا ظاہر ہوئی۔خطا کے نتائج سامنے آئے۔

جب تک ممکن ہوا یہ مربوط رہے۔جب دشوار ہوا تو ربط چھوڑ بھاگے۔

(۳۰)امت مسلمہ کی بیداری

مسلمان جاگتا ہے روشنی سے، مسلمان جاگتا ہے صدمہ سے، مسلمان جاگتا ہے ٹھوکر کھانے سے۔مگر آج کا مسلمان ان باتوں سے نہیں جاگ رہا ہے۔کس قسم کا نشہ لیا ہے۔کون سا اطمینان ہے جو پیدا ہوا ہے۔کیا جاگنے کو برا سمجھ رہا ہے۔

روشنی کی بات کریں تو مدارس کے ذریعہ، قرآن مجید کے درس کے حلقوں کے ذریعہ، اصلاحی جلسوں کے ذریعہ، دینی محنت کے ذریعہ یہ روشنی پہونچائی جارہی ہے۔دینی علمی کتابوں کے ذریعہ بھی یہ روشنی پہونچائی جارہی ہے۔

صدمہ کی بات کریں تو کوئی دن ایسا نہیں ہے جو ہم کو صدمہ نہ پہونچا رہا ہو، کوئی جہت ایسی نہیں جو صدمہ کی چوٹ نہ دے رہی ہو۔کوئی زندگی کا گوشہ نہیں جو اپنی تہہ میں صدمہ نہ چھپائے ہو۔

ٹھوکر کھانے کی بات کریں تو وہ کون ہے جو ہم کو ذلت کی ٹھوکر، غربت کی ٹھوکر، جہالت کی ٹھوکر، سیاست سے ٹھوکر نہ مار رہا ہو۔

بہت وسعت پیدا کی جائے تو بیداری کا اوسط 1.5 فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔جاگنے والے، بدلنے والے، بیدار ہونے والے اس سے زیادہ نہیں ہیں۔

ہم ماضی کی طرف چلتے ہیں، جنگ کا ماحول ہے۔دنیا جنگ میں جھونکی جارہی ہے۔۱۹۱۴ء-۱۹۶۰ء کا طویل عرصہ ہے، دو عالمی جنگوں نے دنیا کو جہنم بنا دیا۔یہاں بھی ہم نتائج کے ساتھ ساتھ اسباب و وسائل اور عوامل کی حقیقی تجزیہ کے بغیر پائے گئے۔یہ تو عالمی سطح پر تھا۔الگ الگ ملکوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس سے زیادہ خراب حالت میں ہم نظر آرہے ہیں۔

اب لوگ آزادی حاصل کررہے ہیں۔یورپ اور فرانس کا قبضہ ختم ہو رہا ہے۔مگر مسلمانوں کی مجموعی صورت حال یہ بتارہی ہے کہ اب اور خرابی بڑھ رہی ہے۔قیادت میں، سیاست میں، معاشیات میں، خواص ہوں یا عوام۔غلطیاں زیادہ، خرابیاں بہت۔یہ نظارہ مسلمانوں کا، مسلم ممالک کا ۱۹۱۴ء-۱۹۶۰ء کے حالات کے تناظر میں ملتا ہے۔

مذہب کے مطالعہ سے یہ بات ملتی ہے کہ بیداری والے عوامل جو متعین ہیں اس میں ایک عامل ''تعلیم'' ہے۔ اس عامل کا حال یہ ہے کہ بحیثیت امت مسلمہ مجموعی طور پر قرآن مجید سے دور ہوئی ہے۔اس کی تلاوت سے دور ہوئی ہے۔ اس کے فہم سے دور ہوئی ہے۔اس کی زندگی سے دور ہوئی ہے۔قرآن مجید بیدار کرنے کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔سب سے بڑا عامل ہے۔قرآن مجید ''تعلیم'' کے لئے اصل الاصول ہے۔قرآن مجید سے علیحدہ ہوکر ''تعلیم'' کا تصور اور تخیل ایک بھیانک اور خوفناک تصور اور تخیل ہے۔

تعلیم مضامین کی ہو۔تعلیم زبانوں کی ہو۔تعلیم اخلاق کی ہو۔تعلیم روحانی تربیت کی ہو، وہ قرآن مجید کے بغیر دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

مذہب کے مطالعہ سے یہ بھی ملتا ہے کہ بیداری والے عوامل جو متعین ہیں اس میں ایک عامل ''نبوت کے طور وطریقے'' ہیں۔جس طرح سائنس کے ساتھ ٹکنالوجی کو بولا جاتا ہے۔اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ ''قرآن مجید'' کے ساتھ ''نبوت کے طور وطریقے'' ہیں۔

بیداری کے لئے نبوت کی Practices کو اختیار کرنا بہت لازمی ہے۔اصحاب رسولؐ کے عروج اور ترقی میں جس بات کو بنیاد حاصل ہے اس میں قرآن مجید کے ساتھ ساتھ ''نبوت کے طور وطریقہ'' کا التزام ہے۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اس التزام کو پرانے زمانہ کی بات سمجھتے ہیں۔اس کی مثال آج کے مدارس اور مساجد کے انتظامات ہیں۔جو ہمارے معاشرہ میں خالص مذہب کا درجہ رکھتے ہیں۔مگر یہاں انتظام کار (علماء ہوں یا غیر علماء) ذاتی تجربات سے انتظام چلا رہے ہیں۔جب کہ یہاں نبوت کی Practices کا التزام ملنا چاہئے تھا۔طور وطریقہ کا امتثال ملنا چاہئے تھا۔

اس وجہ سے بیداری کی لہر تیز نہیں ہو رہی ہے۔بیداری کا اوسط بڑھتا ہوا نہیں دکھ رہا ہے۔

اسی طرح مذہب کے مطالعہ سے ملتا ہے کہ بیداری کے جن پروگرام کو منعقد کرنا تھا ان میں ''اولیت'' کس کو ہے، اس کو ترجیح دینا تھی۔اسی طرح اس پروگرام کو ''تدریجی مرحلہ'' سے گزارنا تھا مگر یہاں بھی ہر فرد اپنی اینٹ رکھ رہا ہے۔خواہ یہ اینٹ ابھی ضروری نہیں تھی۔ہر فرد تجاویز پیش کر رہا ہے خواہ ان تجاویز کی ضرورت بالکل نہیں تھی۔ایک فاصلہ طے کر یئے کوئی دوسرا صاحب دعوت، صاحب پیغام مل رہا ہے۔یہ بات اس لیے بھی ہے کہ ہم علاقہ کے احوال سے متاثر ہوکر اصلاح

کی کوشش کرنا چاہتے ہیں جب کہ اصلاح کی کوشش کا مکمل خاکہ ''قرآن مجید'' اور ''نبوت کے طور وطریقہ'' نے پیش کر دیا ہے۔ یہ خاکہ نا قابل تبدیل ہے۔ مگر ہم ''اولیت'' اور ''تدریجی مرحلہ'' والے نظام کو دانستہ یا غیر دانستہ طور پر چھوڑ رہے ہیں۔

ہمارا یقین ہے کہ بیداری کی کوشش مندرجہ بالا باتوں کے التزام کے ساتھ ہوتی تو اوسط زیادہ ہوتا۔ بیداری کی لہر تیز ہوتی۔ نتائج زیادہ خوشگوار ہوتے۔ یہ کہنا اس لیے ضروری ہوا کہ اس امت مسلمہ پر حملہ جس راہ سے تھا وہ مادیت Materialism کی راہ سے۔ افکار کے راستہ سے تھا۔

نبوت کے ایک ہزار سال کے بعد یہ حملہ پوری طاقت کے ساتھ عالم انسانیت پر عمومی اور عالم اسلام پر خصوصی طور پر تھا۔ یعنی ۱۶۰۰ صدی عیسوی میں اس حملہ نے عالم اسلام کو دبوچ لیا۔ یہ حملہ فکر کے راستہ سے تھا۔ اس ''فکری حملہ'' نے ارتداد کا نیا دروازہ کھولا جس کو معاشرہ نے نہیں سمجھا اور اس فرد نے بھی نہیں محسوس کیا جو اس ''فکری حملہ'' کا شکار تھا۔ یعنی فکری ارتداد کا شکار تھا۔ یہ حملہ کامیاب راہوں سے گزرتا ہوا ۱۹۹۰ء میں ''جدید عالمی نظام'' کے نام سے جانا گیا۔ اب یہ نظام غلبہ کے اعلان کا انتظار کر رہا ہے۔ اس میں دنیا کے ممالک اور ان کے ذمہ دار (صدر/ وزیر اعظم) غلامی کر رہے ہیں۔ یہ ذمہ دار مسلم ممالک کے ہوں یا غیر مسلم ممالک کے ہوں۔

اس فکری حملہ نے ہم مسلمانوں کو نبوت اور صحابیت سے الگ کر دیا۔ کیونکہ نبوت اور صحابیت نے سب سے پہلے فکر کو، شعور کو، احساس کو صحیح بنانے کا کام کیا تھا۔ اسی کو ''ایمان ویقین'' کہتے ہیں۔ مرکز نبوت اور صحابیت سے ہٹ کر فکر کی تربیت احساس وشعور کی تربیت غلط ہوسکتی ہے۔ بلکہ غلط ہی ہوگی۔ جیسے نبی نے زندگی کی بنیاد اللہ کا نام بتایا تھا۔ اللہ کا کام بنایا تھا۔ تمام صحابہ اللہ کے نام پر جینے اور مرنے کی فکر کو بنیاد مانتے تھے۔ تمام صحابہ اللہ کے کام پر جینے اور مرنے کی فکر کو بنیاد مانتے تے۔ آج کے مسلمان بشمول تمام طبقات کھانے اور کمانے، آل اولاد کو پالنے کی فکر کو بنیادی درجہ دے رہے ہیں۔ آج یہ بات اتنی طاقت کے ساتھ ہے اس کے خلاف بات کو سننا بھی گوارا نہیں ہے۔

اس لیے یہ مسلمان بیدار ہونے کو راضی نہیں ہے۔ اس کو روشنی، صدمہ اور ٹھوکر بیدار کرنے سے قاصر ہے۔

احادیث مبارکہ سے اشارہ ملتا ہے کہ مسلمانوں کی ''بیداری'' تبدیلی اور نظام کی تبدیلی میں سبب کا درجہ نہیں رکھ رہی ہے بلکہ ''ظلم'' سبب بن رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ''ظلم'' اور ''مظلومیت'' پر ترس کھا کر تبدیلی کا امر جاری فرمائے گا۔ یہ خوش کرنے والی بات نہیں ہوگی، کیونکہ معصیت کی وجہ سے ظلم کا دروازہ کھلتا ہے۔ جو معصیت پر مرا۔ اس کا حشر برا ہوگا۔ گناہ

سے توبہ،معصیت سے اجتناب کی کوشش نہ ہوئی تو موت نے ظلم سے تو محفوظ کیا مگر اللہ تعالیٰ کا وہ نظام جو جزا اور سزا کا ہے وہ بھی نافذ ہوگا۔ جیسے قیامت سے پہلے مختلف اور متعدد ایسے موقع ہیں۔زلزلہ،طوفان کا ایک سلسلہ ہوگا اس میں کثرت سے اموات ہوں گی تو یہ عذاب کہلائے گا۔رحمت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر فرد مومن کو صحیح طور پر بیدار ہونے کی توفیق عطا فرمائے،خود کو بدلنے والے فیصلہ کی طاقت مرحمت فرمائے۔قرآن وحدیث،شریعت وسنت والی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔کلمہ کی محنت اور اس کے غلبہ کے لیے جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے،آمین۔

(۳۱)امت مسلمہ کی روحانی طاقت جہاد اور اجتہاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو جہاد اور اجتہاد کی صفت پر چھوڑا تھا۔صحابہ میں جامعیت تھی۔توازن تھا۔اعتدال تھا۔اجتماعیت تھی۔احساس وشعور کا اصل جوہر تھا۔یہ اوصاف صحابہ سے منتقل ہو کر تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں ملتے ہیں، پھر تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں،اس کے بعد افراد مخصوصہ میں۔اس طرح جہاد اور اجتہاد کی صفت کمزور ہوتے ہوئے خلافت کے زوال اور سقوط پر مفقود ہوئی۔

نبوت سے دعوت ہے۔نبوت سے صحابیت ہے۔نبوت سے خلافت ہے۔خلافت کے زوال پر اللہ تعالیٰ نے دعوت الی اللہ کے قیام سے امت کی اجتماعیت کی بقا کا فیصلہ کیا۔دعوت الی اللہ،خلافت فی الارض کے لیے جہاد اور اجتہاد جزء لازم ہے۔جہاد اور اجتہاد ہی امت مسلمہ کی روحانی طاقت ہے۔

خلاصہ تاریخ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے ہی افراد نے جہاد اور اجتہاد کی تعریف اور تشریح میں اختلاف کیا۔جس نے عملی صورتوں کو معدوم کر دیا۔امت مسلمہ کو ۹ویں صدی عیسوی میں زوال لاحق ہوا۔۱۲ویں صدی عیسوی میں سقوط ہوا۔ ۱۶ویں صدی سے یورپ امریکہ آہستہ آہستہ غلبہ کے حقدار ہوئے۔اس درمیان امت مسلمہ کے افراد مخصوصہ (مردان خدا)علم وذکر کے راستہ جہاد اور اجتہاد کی کوشش قائم کرتے رہے جیسے حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مبارکہ اور ان کی وقت کے علماء اور وقت کے حکمراں کے خلاف کوشش اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مبارک ان کی وقت کے علماء اور وقت کے حکمراں کے خلاف کوشش۔اسی طرح حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مبارک کا

وقت کے علماء کے خلاف کوشش، وقت کے حکمراں کے خلاف کوشش۔

یہی تاریخی مطالعہ بتاتا ہے کہ امت مسلمہ کی ازسرے نو تربیت ان اصولوں پر ہو جو قرن اول کے اصول تھے۔کلمہ کی محنت (توحید، رسالت، آخرت) انفاق فی سبیل اللہ کی صفت، اللہ کے نام اور کام پر جینا اور مرنا۔ جب کہ یہ سب کچھ امت مسلمہ کے دل ودماغ سے باطل نے مٹادیا تھا، کہا جاسکتا ہے کہ کم ازکم ۱۲ صدی عیسوی سے ۱۹ ویں صدی کے درمیان امت مسلمہ اپنے اصل مزاج کو بھول چکی تھی۔ بلکہ انکار کی طرف چلی گئی۔ امت مسلمہ کی جان ومال کا مصرف اس طرف لوٹایا جائے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا تھا۔ امت مسلمہ کا حال یہ بن چکا ہے کہ جان ومال، دولت اور توانائی کا مصرف حوائج انسانی بلکہ شہوات نفسانی ہے۔اس کے لیے جہاد ہی حل ہے اور حل رہے گا۔اس جہاد میں اُس اجتہاد کی ضرورت تھی کہ دنیا کے حالات میں رہتے ہوئے روح جہاد تو پیدا ہو مگر شکل جہاد سے دنیا والوں کو اندھیرے میں رکھ کر امت مسلمہ کی تربیت جہاد کے عمل سے ہوسکے۔

جس طرح دین خالص کی بقا کے لیے ۱۸۵۷ء کے بعد مردان خدا نے یہ اجتہاد کیا کہ مدارس کا قیام ہو۔اس کا نظام ہو۔خاص نصاب ہو۔نئی نسل کو وقت کے باطل کے خلاف کھڑا کرنے کی تربیت ہو۔اس اجتہاد نے علم کی حفاظت، علم کی اشاعت کی راہ قائم کی۔اس اجتہاد میں اس جہاد کی روح تھی جو نبوت کے پیغام کی سدابہاری کو ثابت کرتی ہے۔اس کا ہم اعتراف کریں۔اس کوشش کو اسلامی بتائیں۔اس کے لیے مسلمانوں کی مالی اور جسمانی توانائی کو لگانے پر قرآن وحدیث کو سنانا صحیح قرار دیا جائے۔جب کہ موجودہ مدارس اس روح پر ہیں یہ تحقیق طلب امر ہے۔؟

غم اور صدمہ کی بات یہ ہوئی کہ ہمارے جہاد اور اجتہاد کو لغو اور بے سود ٹھہرایا گیا۔

اسی طرح رسول اللہ سے امت مسلمہ کو جو تربیت کا علم ورثہ میں ملا تھا یہ تربیت کا علم فضائل پر مشتمل ارشادات ہیں۔اس سے امت مسلمہ بے پرواہ ہوچکی تھی۔نفوس کی تربیت اس ذخیرہ احادیث کے بجائے کی جانے کی بات ہو رہی تھی۔غور کریں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری کی جمع وترتیب میں اتنے مخلص ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قبولیت کی شان ایسی اتاری کہ صحیح بخاری کے بغیر علم حدیث کا حصول نامکمل۔مگر ان ہی کی کتاب جو تربیت کے علم والی ہے، فضائل والی ہے، وہ کتاب ''الادب المفرد'' ہے۔ یہ کتاب ہمارے درمیان اجنبی رہی۔ اس راہ سے امت مسلمہ کی تربیت میں اجتہاد سے کام لیا گیا۔ امت مسلمہ کو تربیت کے علم سے مربوط کیا گیا۔ سارے عالم میں مسلمانوں کے تن مردہ میں

''ریاض الصالحین''، ''حیاۃ الصحابہؓ'' اور ''فضائل اعمال'' کے راستہ جان ڈالنے کا کام کیا گیا۔ اس راہ سے اجتہاد کیا گیا۔ اس اجتہاد کو بھی اپنوں نے جس نگاہ سے دیکھا وہ بھی ایک مثال ہے۔

اسلامی تاریخ پر نگاہ ڈالیں۔ ماضی پر غور کریں۔ امت مسلمہ کی جملہ حالت کو سامنے رکھتے ہوئے بات کریں۔ حکومت کے بغیر، اسباب ووسائل کے بغیر کرہ ارض پر نفوس انسانی کو مجتمع کرنا۔ کسی ایک پروگرام پر آمادہ کرنا، غفلت اور معصیت سے اجتناب کا احساس پیدا کرنا۔ کوئی معمولی کارکردگی ہے۔ جب کہ اپنوں ہی کی ایک بڑی تعداد نے تعاون ہی نہیں کیا بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ (مذہبی، غیر مذہبی) نے خاص طور پر اس جہاد اور اجتہاد کی صورت سے بالکلیہ احتراز کیا۔ اس کے باوجود اس کوشش نے عالم اسلام کو قائل کیا۔ جس بصیرت اور اعتماد کے ساتھ اس کوشش (جہاد اور اجتہاد) کو قائم کیا گیا وہ تو بے مثال ہے، لازوال ہے۔

یہ بات روشن ہے کہ نبوت لافانی صلاحیتوں کے ساتھ ہے۔ یہ سدا بہار درخت ہے۔ امت مسلمہ کی روحانی طاقت کے لیے جہاد اور اجتہاد جیسے طاقتور عمل کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضرورت کو پورا کرنے پر قادر ہیں۔ مادی آنکھیں مادیت سے بھرے قلوب اس انتظام کو ٹھکرائیں، اس کا بھی حساب وکتاب کے دن فیصلہ ہوگا۔ جس طرح نبوت کے منکروں سے حساب وکتاب ہوگا، اسی طرح نبوت کے افراد مخصوصہ کے منکروں سے قیامت کے روز حساب وکتاب ہوگا۔ ہمارے جہاد اور اجتہاد کے قبول نہ کرنے کا حساب وکتاب ہوگا۔

تاریخ گواہ ہے اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کو اللہ کا کام کرنے میں وقت کے علماء اور وقت کے حکمراں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس بات کی دلیل میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت کا مطالعہ کافی ہوگا۔ قرآن مخلوق ہے یہ علماء ہی کا رجحان تھا۔ دین الٰہی کے سرپرست علماء ہی تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں پر حج فرض نہیں رہا یہ علماء ہی کا فتویٰ تھا۔

(۳۲) آخری بات

ان اوراق کو دیکھنے کے بعد کہا جائے کہ یہ ایک پہلو ہے۔ یہ مولانا محمد سعد کاندھلوی کی طرف سے ہے۔ ان اوراق کا اعتبار نہیں۔ تو عرض ہے:

مشورہ کے بغیر کام۔ نہج کی تبدیلی۔ مولانا کی ذات۔ مزاج اور طریقہ کار۔ عالمی شوریٰ کا انکار۔ مرکز کے

اندر بے چینی۔ آپ سب کا رہنا بھی دشوار۔ بس یہی ہے جس نے علاحدگی پر آمادہ کیا۔ دوسرے اقدامات پر کارروائی کی ضرورت ہوئی۔ ہم نے تو یہی پڑھا ہے کہ صبر جہاں تک ممکن۔ پھر علیٰحدگی۔ خاموشی کے ساتھ نہ کہ مخالفت۔

کفر بواح اور معصیت ہوتی تو علیٰحدگی کا فیصلہ مناسب تھا۔ ماضی میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ جماعت اسلامی سے الگ ہوئے۔ محاذ آرائی کے بغیر الگ ہوئے۔ اپنا موقف ظاہر کر کے علیٰحدہ ہوئے۔

یہ اوراق دو برس میں مطبوعہ صورت میں۔ کوشش اس کی کی گئی ہے کہ حقیقت کے بعد قلم اٹھایا جائے۔ خطا کا امکان ہے۔ خطا کا اعتراف ہے۔

میرا تجزیہ یہی ہے کہ علیٰحدگی کا فیصلہ خطا ہے۔ برابری کی کوشش فحش خطا ہے۔ نظام الدین بنگلہ والی مسجد سے علیٰحدگی خطا ہے۔ بنگلہ والی مسجد کے بالمقابل نظام چلانا فحش خطا ہے۔ اس کے نتائج معلوم ہیں۔

یہ شقاق رہے گا۔ اس پر خاتمہ ہوگا۔ آخرت میں کیا حال ہوگا۔

اخیر میں ہم استاذ گرامی مولانا عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں کہ جوانھوں نے ١٩٩٦ء میں فرمایا تھا۔ اس وقت مولانا سعد کاندھلوی صاحب پہلی مرتبہ لکھنؤ، دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے تھے۔ مجھ سے فرمایا:

''مولوی صاحب تیز دکھ رہے ہیں۔ آپ لوگ برداشت کر پائیں گے؟''

۲۰ر برس کی تاریخ نے اسی کا ثبوت دیا۔ لوگوں نے مولانا محمد سعد کاندھلوی کو برداشت نہیں کیا۔ قبول نہیں کیا بلکہ برطرف کرنے کی ناکام کوشش مسلسل کر رہے ہیں۔ ذات کی وجہ سے ہدایت کی محنت کو مجروح کیے جا رہے ہیں۔

ایک اور واقعہ ہے۔ مولانا محمد عارف ندوی استاذ تفسیر جو سنبھل کے ہیں۔ اب وہ مرحوم ہیں۔ انتقال ۲۰۰۶ء میں ہوا۔ مجلس تحقیقات میں تشریف فرما تھے۔ ایک مہمان آئے ہوئے تھے۔ ان سے گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ مہمان تبلیغ سے وابستہ تھے۔ مولانا نے بہت تفصیل سے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں اس وقت تبلیغ میں دولت آ گئی ہے جلد ہی کوئی بڑا فتنہ اٹھے گا۔ اس وقت مجھ کو یہ گفتگو بے محل لگ رہی تھی۔ مگر آج یہ گفتگو ایک سچ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو رحمت میں لے لے۔ کیا نگاہ تھی۔ آج ہم ایک مصیبت میں ہیں۔

مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے فرمایا:

اصلاح کے لیے ماحول اور فضا کی تبدیلی ضروری ہے۔

☆☆☆

علماء سے کہنا ہے کہ ان جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں دین کی صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے۔ ان کو دین کے سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جاسکتا ہے۔
آگے دین کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ ہی سے ہوسکتا ہے۔
اس لیے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔

☆☆☆

علم سے پہلے ایمان ہے
حضرت جندب بن عبداللہؓ کا فرمان - ابن ماجہ کی روایت
تعلمنا الایمان ثم تعلمنا القرآن.

☆☆☆

سیاست سے پہلے دعوت
کیونکہ
نبوت سے خلافت وجود میں آئی۔
نبوت اور خلافت کا اساسی عمل دعوت ہے۔
حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ سے فرمایا:
اب امت کا کام بطریق دعوت ہوگا۔

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے فرمایا:

’’اس کام کی تعمیم کے لیے رواجی طریقوں اخبارات، اشتہار، پریس وغیرہ، رواجی الفاظ سے بھرپور پرہیز کی ضرورت ہے۔

یہ کام سارا غیر رواجی ہے۔

رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہونچے گی، اس کام کو نہیں‘‘۔

دعوت کا عمل

دعوت کے عمل کو حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ تمام اعمال نبوی میں زیادہ طاقتور اور انبیاء کا مقصد حیات یقین کرتے تھے۔فرماتے تھے کہ یہ انبیاء کا خاص الخاص عمل ہے اور انبیاء والی مددیں اسی عمل کے ساتھ ہیں۔

اس کام کو اصل کام بناؤ۔بقیہ کاموں کو اس کی سلوٹوں میں کرنا سیکھو۔

حضرت جی اس عمل کے لیے انتہائی قربانیاں چاہتے تھے۔تدریجا بڑھنے کی دعوت دیتے تھے۔

عام دعوت یہ تھی کہ وقت کا تہائی حصہ یعنی ہر سال چار مہینہ بیرونی نقل وحرکت میں صرف کئے جائیں۔باقی آٹھ مہینہ اپنے مقام پر اس طرح گزارے جائیں کہ آدھا وقت مسجد اور اس کے اعمال میں صرف ہو۔آدھا وقت گھر اور اس کی ضروریات کو دیا جائے۔

امت

امت ہونے کے لیے اور مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد ہونے کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نماز ہو، ذکر ہو، مدرسہ کی تعلیم ہو۔

حضرت علیؓ کا قاتل ابن ملجم ایسا نمازی اور ایسا ذاکر تھا کہ جب اسکو قتل کرتے وقت غصہ میں بھرے لوگوں نے اس کی زبان کاٹنی چاہی تو اس نے کہا سب کچھ کرلو لیکن میری زبان مت کاٹو تا کہ زندگی کی آخری سانس تک میں اس سے اللہ کا ذکر کرتا رہوں۔

اس کے باوجود حضورﷺ نے فرمایا تھا کہ علی کا قاتل میری امت کا سب سے شقی اور بدبخت ترین آدمی ہوگا۔

اور مدرسہ کی تعلیم تو ابوالفضل نے بھی حاصل کی تھی اور ایسی حاصل کی تھی کہ قرآن پاک کی تفسیر بے نقطہ لکھ دی۔ حالانکہ انھوں نے ہی اکبر کو گمراہ کرکے دین کو برباد کیا تھا۔ تو جو باتیں ابن ملجم اور ابوالفضل فیضی میں تھیں وہ امت بننے کے لیے اور خدا کی غیبی نصرت کے لیے کیسے کافی ہوسکتی ہیں۔

(حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ)

حصول علم کے متعلق حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی تحقیق

.....دین کے تعلیم وتعلم کو کتابوں کے نقوش اور مدارس کے حدود میں محدود کردینا قرون متاخرہ کا طریقہ اور امت کے بڑے طبقہ کو اس دولت سے محروم کردینے کے مرادف ہے۔

اس طرح سے امت کا بہت مختصر طبقہ دین کے علم سے منتفع ہوگا۔ وہ بھی اکثر محض نظری اور ذہنی طور پر۔

دین کے تعلیم وتعلم کا فطری اور عمومی طریقہ جس سے لاکھوں افراد بلاکسی ساز وسامان کے تھوڑے وقت میں علم دین نہیں بلکہ نفس دین حاصل کرسکتے ہیں وہ:

''اختلاط، اجتماع صحبت، سعی وعمل میں رفاقت اور اپنے ماحول سے نکلنا ہے''

جس طرح زبان وتہذیب اہل زبان اور مہذب وشائستہ لوگوں کی صحبت واختلاط سے حاصل کی جاتی ہے اور یہی ان کے سیکھنے کا فطری طریقہ ہے۔

اسی طرح دین کا صحیح علم اہل دین کی صحبت واختلاط، رفاقت واجتماع سے حاصل ہوسکتا ہے اور یہی اس کے حصول کا فطری طریقہ ہے کہ اس کے بہت سے اجزا ایسے ہیں جو قلم کی گرفت سے باہر ہیں۔ دین ایک جاندار اور متحرک شئے ہے۔ کتابوں کے نقوش جامد ہیں۔ جامد سے متحرک کا حاصل ہونا قانون فطرت کے خلاف ہے۔

دین کا کچھ حصہ اعضاء جوارح سے تعلق رکھتا ہے وہ اعضاء جوارح کی حرکت سے ہی حاصل ہوگا۔

کچھ حصہ قلب سے تعلق رکھتا ہے وہ قلب سے قلب میں منتقل ہوسکتا ہے۔ کچھ حصہ ذہن سے، وہ بے شک کتابوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، جدید طباعت، ص: ۲۹۲،۲۹۳)

مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

امت بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہ کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو۔ پھوٹ نہ پڑے۔

حضورﷺ کی ایک حدیث میں مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج، تبلیغ سب کچھ کیا ہوگا مگر وہ عذاب میں ڈالا جائے گا۔ کیونکہ اس کی کسی بات نے امت میں نفرت ڈالی ہوگی۔ اس سے کہا جائے گا پہلے اپنے اس ایک لفظ کی سزا بھگت لے جس کی وجہ سے امت کو نقصان پہنچا۔

اور

ایک دوسرا آدمی ہوگا جس کے پاس نماز، روزہ، حج وغیرہ کی بہت کمی ہوگی اور خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوگا۔ مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا وہ خود پوچھے گا کہ یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے۔ اس کو بتایا جائے گا کہ تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے امت میں پیدا ہونے والا فساد رک گیا اور بجائے توڑ کے جوڑ پیدا ہو گیا۔ یہ سب اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

(۳۰/مارچ ۱۹۶۵ء، رائیونڈ بعد نماز فجر)

مصنف-ایک تعارف

نام : انیس احمد

پیدائش : ۱۵/اگست ۱۹۶۸ء

وطن : لکھنؤ

تعلیم : ممتاز اسکول لکھنؤ (پرائمری)

معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (ثانوی درجات) ۱۹۷۸ء-۱۹۸۳ء

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (عالیہ درجات) ۱۹۸۴ء-۱۹۸۹ء

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (اختصاص تفسیر قرآن مجید، علیا درجات

۱۹۸۹ء-۱۹۹۱ء)

ملازمت : ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، ۱۹۹۱ء-۱۹۹۲ء

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۱۹۹۳ء-۲۰۱۱ء

تدریس : فلاح المسلمین، رائے بریلی، ۱۹۹۲ء

جامعہ سید احمد شہید، ملیح آباد لکھنؤ، ۱۹۹۳ء

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۰۰۳ء-۲۰۰۸ء

بانی/منتظم: ☆ قرآنی درس گاہ لکھنؤ ☆ اسلامک سروسز لکھنؤ

ادارت : ☆ سالانہ اسلام ٹائمز ☆ سالانہ رمضان ٹائمز (بزبان ہندی)

ارادت : ☆ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ثم ☆ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

اسفار : ملک کے تمام صوبہ، سعودی عربیہ، صومالیہ لینڈ، جیبوتی، ساؤتھ افریقہ، موزامبیق

تالیف : ☆ مولانا ناصر علی حالات کمالات ☆ ارض حرم کی طرف ☆ انفعال ☆ آداب زندگی

☆ فکر ونظر کی طرف ☆ نورانی پنج سورہ